قرآن وسنت، آثارِ صحابہؓ اور فقہ حنفی کی روشنی میں

مسنون نماز

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی • مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

شعبۂ نشر و اشاعت

مدرسہ خیر المدارس ٹرسٹ حیدرآباد

قرآن وسنت، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم
اور فقہِ حنفی کی روشنی میں

مسنون نماز

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی
مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

شعبۂ نشر واشاعت
مدرسہ خیر المدراس ٹرسٹ بورابنڈہ حیدرآباد

نامِ کتاب : مسنون نماز (قرآن وسنت، آثار صحابہ اور فقہِ حنفی کی روشنی میں)

مصنّفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

صفحات : 241

سنِ طباعت : چوتھا ایڈیشن، مارچ ۲۰۱۳ء م ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

کمپوزنگ : حافظ محمد حسام الدین، فون: 09542235137

تزئین : قبا گرافکس، حیدرآباد فون: 09704172672

ناشر : مدرسہ خیر المدارس ٹرسٹ حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- فضل بک ڈپو، جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد، فون: 9440039231 - 40 91+
- مکتبہ احیاءِ سنت، مسجدِ ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد، فون: 23325952 - 040
- مکتبہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد، فون: 24557422 - 040
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد، فون: 66714341 - 040
- ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد، فون: 24514892 - 040
- مکتبہ ابن کثیر، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون:
- مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی

فہرست مضامین

مقدمۂ طبعِ جدید

اللہ جل جلالہ وعم نوالہٗ کا بے پایاں احسان وکرم ہے کہ پہلا ایڈیشن دس بارہ دن میں ختم ہوگیا، خواص وعوام، اکابرِ علماء نے غیر معمولی ہمت افزائی کی، اضلاع ودیگر صوبوں سے پئے در پئے تقاضے آنے لگے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی نظرِ ثانی اور مشورہ کے بعد اس کتاب کے نام کو بدلا گیا، ''نبی رحمت ﷺ کی نماز، قرآن وسنت اور فقہِ حنفی کی روشنی میں'' کے بجائے اب اس کتاب کا نام ''قرآن وسنت، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ اور فقہِ حنفی کی روشنی میں مسنون نماز'' رکھا گیا۔

کتابت کی اغلاط کی تصحیح کرلی گئی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں، ایک بڑی غلطی رہ گئی تھی کہ سنتِ عصر کو مؤکدہ لکھ دیا گیا تھا، جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہو، وہ ضرور تصحیح فرمالیں۔

بعض عناوین کو آسانی کے لئے مزید نمایاں کیا گیا، مولانا عبداللہ صاحب معروفی، استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند اور مفتی محمود الحسن صاحب بلند شہری مفتیٔ دارالعلوم دیوبند کی نظرِ ثانی ذرّہ نوازی بحمداللہ شاملِ حال رہی، اول الذکر بزرگ نے مفصل استنادی تقریظ سے بھی کرم فرمایا، یہ سب کچھ میرے اکابر، اساتذہ اور والدین کی دُعاؤں کا صدقہ ہے۔ انگریزی ترجمہ کا کام انشاء اللہ جلد ہی شروع ہونے والا ہے، پروردگارِ عالم مقامی اور غیر مقامی زبانوں میں ترجمہ کا کام آسان فرمائے، قبولیت سے نواز کر، مرتبین کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

بمکان وجیہ الدین صاحب، کملاپوری کالونی، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ م ۱۲؍ڈسمبر ۲۰۱۰ء

پیشِ لفظ

اس کتاب کا مقصد نماز سے متعلق پورے مسائل و دلائل کو نہ بیان کرنا ہے اور نہ ہی دیگر مکاتبِ فکر کے دلائل کا مکمل جواب، بلکہ یہ بات پوری کتاب میں پیشِ نظر رہی ہے کہ سنجیدہ، مثبت، علمی انداز میں سلگتے ہوئے ضروری مسائل مدلل اور باحوالہ آجائیں، درمیان میں مسنون اذکارِ نماز، اسرار ورموز کی حلاوت بھی شامل کردی جائے۔

راقم الحروف نہ محقق ہے نہ محدث، صرف اگلے مفسرین، محدثین، فقہاء کے علاوہ پچھلے زمانے کے علماء، علامہ نیمویؒ، علامہ ظفر عثمانیؒ اور عصرِ حاضر کے مشہور شارحینِ حدیث مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نیز مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اور بالخصوص مفتی شعیب اللہ خان صاحب کی تحقیقات اوران ہی کے الفاظ میں صحت وضعف کے فیصلوں کا ناقل ہے، اسرارِ شریعت اور دعاؤں کے ترجمے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مختلف تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

اُردو کتابوں کے حوالوں کی کثرت سے حواشیٔ کتاب کے مزید دراز ہوجانے کا اندیشہ تھا، جو کتاب کی قامت و قیمت میں مزید اضافہ کردیتا، اس لیے عربی کتبِ حدیث کے حوالے بقیدِ صفحات ونمبرات، موضعِ طباعت واسماء محققین کے اہتمام سے نقل کئے گئے ہیں، بارہ پندرہ حدیثیں وہ ہیں جس پر صحت وضعف کا فیصلہ مولانا مشہود الدین صاحب قاسمی استاذ اشرف العلوم حیدرآباد، فارغ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند (بارک اللہ فی علمہ وعملہ) کے قلم سے ہے، بنیادی طور پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی ''احادیثِ نماز'' سے استفادہ رہا، حقیقت یہ ہے کہ اگراس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو میرے اکابر کی تحقیقات ہیں۔

مفتی رفیع الدین صاحب قاسمی کی علمی رفاقت، تسوید وتبییض، تحقیق وترجمہ کے صبر آزما

مراحل میں اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے تک بے حد معاونت رہی، (جزاہ اللہ احسن الجزاء) ہمارے مرشد ومربی حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا بہت بڑا احسان ہے کہ حضرت والا نے مسلسل اسفار، روزانہ جلسوں میں شرکت اور دیگر غیر معمولی مصروفیات کے باوجود پوری کتاب پر نظر ثانی فرما کر ہمت افزائی فرمائی۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے مشفق ناظم محترم مولانا احمد علی صاحب قاسمی مدظلہ کو کہ انہوں نے مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ سے اس کتاب کو طبع فرمایا، اور شاید اجتماعی نسبت ہی نے کتاب کی طباعت کے سارے مراحل کو آسان کر دیا۔

محمد ابوبکر جابر قاسمی

۲؍رمضان ۱۴۳۱ھ بروزِ جمعہ

۱۳؍اگست ۲۰۱۰ء

اتحادِ اُمت کی اہمیت

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے پاس ایک آزاد فکر جو اپنے کو اہل حدیث کہتے تھے؛ صاحب آئے تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ رفع یدین، قرأت خلف الامام وغیرہ کی (اختلافی) سنتیں ہی معلوم ہیں یا دوسری سنتیں بھی جانتے ہو۔ (تجلیاتِ صفدر)

امام حسن البناء کا ایک علاقہ میں جانا ہوا، جہاں مسلمان دو جماعت بنا کر نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے ایک بیس رکعت والے دوسرے آٹھ رکعت والے، انہوں نے پوچھا نمازِ تراویح کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا، سنتِ مؤکدہ، پوچھا مسلمانوں میں اتحاد باقی رکھنے کا حکم کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: فرض ہے، امام حسن البناء نے فرمایا: تم نے سنتِ مؤکدہ ادا کرنے کیلئے فرض چھوڑ دیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی موقع پر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے منیٰ میں چار رکعت پڑھ لیے، (حالانکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے دیکھا، اس لیے کہ وہ مسافر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقیم ہونا انہیں معلوم نہیں تھا) اور فرمایا دو رکعت زیادہ پڑھ لینا آسان ہے مگر دو جماعت بنا کر انتشار پھیلانا اس سے برا ہے، **الخلاف اشد**۔ (حیاۃ الصحابہ: ۲/۲)

تقریظ

حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

امیر ملتِ اسلامیہ آندھرا پردیش

مفتی ابوبکر جابر قاسمی، اور مولانا رفیع الدین قاسمی کی کتاب ''مسنون نماز قرآن وسنت، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کی روشنی میں'' کے مطالعہ کا موقع ملا، بڑی تفصیل کے ساتھ مکمل طریقہ نماز کو قرآن وسنت اور احادیثِ مبارکہ وروایاتِ معتبرہ کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔

ترتیب، مواد، احادیث کی تخریج اور متعلقہ مسئلہ کو مدلل و مبرھن کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے، اسلوبِ تحریر بھی شائستہ اور زبان بھی عام فہم ہے، طریقہ نماز کے موضوع پر عربی اُردو میں بہت سے کتب ورسائل شائع ہوگئے ہیں، اس سب کے باوجود یہ اپنی نوعیت کی نہایت مفید کتاب ہے۔

اس کے ذریعہ انشاء اللہ احناف کے طریقہ نماز کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرکے انتشار پھیلانے والوں کے شر سے نوجوانوں کو محفوظ رکھنے میں مدد ملے گی۔

اور خود غیر مقلدین کے لئے بھی یہ کتاب نہایت مفید ہوگی، کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ کو اب تک جو اصحاب الرائے کی آراء کہہ کر انکارِ حدیث کے جرم میں مبتلا ہورہے تھے اس سے خود کو بچاسکیں گے، خصوصاً مختلف فیہ مسائل میں روایت و دِرایت کی روشنی میں جو محنت وکوشش ان عزیز نوجوان علماء نے فرمائی ہے، بڑی قابلِ قدر اور حوصلہ افزاء ہے بلکہ موجودہ حالات میں اگر اعدادیہ تا دوم فقہ کے گھنٹہ میں ۱۵ منٹ یومیہ یا ہفتہ میں ایک دو دن اس کتاب کو پڑھا دیا جائے تو مبتدی طلبہ کے حق میں زیادہ بہتر رہے گا۔

محمد جمال الرحمٰن مفتاحی
۲؍رمضان ۱۴۳۱ھ بروزِ جمعہ

تقریظ

حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب

استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس میں شبہ نہیں کہ احکامِ شریعت کا اصل سرچشمہ قرآنِ کریم اور سنتِ رسول اللہ ہیں، ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں سے متعلق جملہ تفصیلی جزئیات صراحتاً کتاب وسنت میں موجود ہیں بلکہ ان قوانین کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اجمال کے ساتھ اُصولی قواعد اور اشارات کی شکل میں بیان فرمایا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو ان اشارات کی تفصیل اور قواعد کی توضیح وتطبیق کا مکلّف بنایا ہے، آیتِ کریمہ ”وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ“ (نحل: آیت ۴۴) میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے پھر آنحضرت ﷺ کی تبیین وتشریح کے بعد بھی یہ ممکن نہیں ہوگا کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے تغیر پذیر حالات کی رعایت کرتے ہوئے ہر ایک کے لئے الگ الگ قانون اور حکم واضح انداز میں مدوّن ہوجائے، ہاں اس قدر جزئیات ونظائر اور رہنما خطوط ضرور سامنے آجائیں گے کہ کسی نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں رہے گی اور تغیراتِ زمانہ کے نتیجہ میں نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن وحدیث کی نصوص میں غور کرکے دریافت کیا جاسکے گا، ان ہی نئے مسائل کا منصوص مسائل کی روشنی میں حل نکالنے کا نام قیاس واجتہاد، اور اسی کی ضرورت آیتِ کریمہ کے اگلے حصہ ”وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ“ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

پھر غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کے ذریعہ جو حکمِ شرعی دریافت ہوگا کبھی تو ایسا ہوگا کہ امت کے

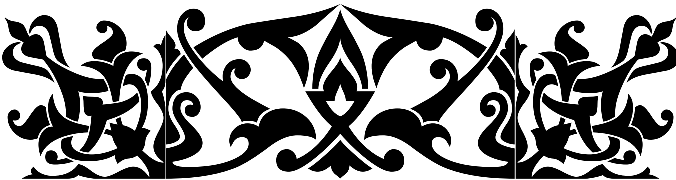
سبھی علماء اس پر متفق ہو جائیں گے جس کو ''اجماع'' کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم نے اسے بھی حجت قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' (نساء: آیت ۱۱۵) میں آنحضرت ﷺ کی قطعی اور صریح طور پر ثابت شدہ حکم کی مخالفت اور مؤمنین کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرنے (اجماع کی مخالفت) دونوں کو موجبِ جہنم فرمایا گیا ہے۔

اور کبھی اس اجتہاد کے نتیجہ میں علماء کے مابین اختلاف رونما ہوگا، واضح رہے کہ اجتہاد کیلئے کچھ ضروری شرطیں درکار ہیں، اجتہاد و استنباط کا وہی معیار معتبر ہوگا جو مجتہد کی امانت و دیانت کے ساتھ قرآنِ کریم، سنتِ نبوی، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کلامِ عربی کے محاورات و استعمالات کے صحیح فہم و اِدراک پر مبنی ہو، یوں تو ہر دور میں اجتہاد کے دعویدار پائے جاتے رہے ہیں اور اپنے اپنے انداز سے وہ اجتہادات کرتے بھی رہے ہیں حتی کہ بعض مجتہدین کے منصوص مسائل تک کو بھی اپنے اجتہاد کا نشانہ بنایا، مگر قابلِ اعتماد و لائقِ اتباع وہ اجتہاد ہوگا جو عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، عہدِ تابعین اور عہد اتباع تابعین میں طئے شدہ مناہجِ استنباط کے تابع ہو، کیونکہ ان زمانوں کو ''خیر القرون'' کی ضمانت حاصل ہے، پھر اس ''خیر القرون'' میں بھی بہت سے مجتہدین تھے مگر سب کے اُصول و مناہج استنباط نہ تو مدون ہو سکے اور نہ ہی ان کے متبعین کا سلسلہ بعد کے اَدوار میں قائم رہ سکا اور تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ متبوعین کے مناہجِ استنباط پر امت کو مجتمع فرمادیا، اس لیے غیر منصوص مسائل، یا ایسے منصوص مسائل جن میں قطعی و صریح نص موجود نہ ہوں اور منقول ادلہ متعارض ہوں یا مختلف معانی کا احتمال رکھتے ہوں ان میں ائمہ اربعہ کی تقلید عام مسلمانوں کیلئے لازم ہے ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' اس طرح کے مسائل میں اگر کوئی قضیہ بظاہر کسی حدیث کے خلاف مذہب اختیار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث اس کے نزدیک یا تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی یا مسئلہ باب پر اس کی دلالت صاف نہیں ہے یا کسی دلیل اقویٰ کے معارض ہو کر مرجوح ہے۔

امت کا مجموعی عمل یہ رہا ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے متبعین ہر دور میں باہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اپنے ائمہ کے قائم کردہ مناہج استنباط پر عمل پیرا رہے، ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق یا العیاذ باللہ تکفیر نہیں کی جاتی تھی، تیرھویں صدی ہجری میں ایک فرقہ وجود میں آتا ہے جو ائمہ کی

تقلید کو شرک و کفر قرار دینے اور غیر صریح و متعارض نصوص کو پیش کر کے انھیں حدیث کی مخالفت کا الزام دینے لگا، اس گروہ کی اصل گمراہی یہ ہے کہ اس نے ادلۂ شرعیہ کے فرقِ مراتب کو نظرانداز کرتے ہوئے ظنی دلائل کو قطعی دلائل کے برابر کر دیا، بلکہ بعض دفعہ ظنیات کو قطعیات سے بھی آگے بڑھا دیا، ہندوستان میں خصوصیت سے حنفی مسلک اس فرقہ کے مظالم کا شکار رہوا، جن مسائل کو انہوں نے اپنی شرانگیزی کا نشانہ بنایا ان میں زیادہ تر نماز کے مسائل ہیں، چنانچہ مجبورا علماءِ احناف کو بھی اصلاح بین الناس کیلئے دفاعی قدم اُٹھانا پڑا، پیشِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے جس کے مؤلفین محترم مفتی ابوبکر جابر قاسمی و مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحبان زید مجدہما لائقِ ستائش وقابلِ مبارکباد ہیں، جنھوں نے ''نبی رحمت ﷺ کی نماز قرآن وسنت کی روشنی میں'' مرتب فرما کر واضح کر دیا کہ نماز سے متعلق حنفیہ کے مسائل اور قرآن وسنت کی نظر میں قابل اعتماد ادلہ پر مبنی ہیں، خدائی قانون کے خلاف کسی انسانی قانون کے تابع نہیں ہیں، بندہ نے مختلف جگہوں سے کتاب کا مطالعہ کیا، الحمد للہ کتاب کو آسان فہم اور قوی دلائل سے مؤید پایا، اور اللہ تعالیٰ اس کو اُمت کیلئے نافع بنائے اور اس محنت کو عند اللہ وعند الناس شرعاً قبول بخشے...... آمین۔

عبد اللہ معروفی غفرلہٗ
خادمِ تدریس، درالعلوم دیوبند
۱۴۳۱/۱۲/۴ھ



کچھ ضروری باتیں

اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے قارئین کرام چند باتیں ذہن نشین کرلیں تو بہت سی غلط فہمیوں کا اِزالہ ہو جائے گا......(انشاءاللہ)۔

❖ بلا شبہ بخاری و مسلم میں مذکورہ احادیث اپنا ایک مقام رکھتی ہیں یہ بات کبھی بھولنا نہیں چاہئے کہ اس کے لکھنے والوں نے یا کسی اور محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ساری احادیث اسی کتاب میں آ گئی ہیں؛ اس لئے یہ بات نادانی کی ہے کہ کوئی بھی مسلمان کسی ایک حدیث کی کتاب کو لے کر پوری شریعت کا علم حاصل کرلے؛ یہاں تک کہ صحیح بخاری سے بھی شرک، کفر، بدعت، ایمان کی تعریف و حقیقت، پاکی، ناپاکی کے مسائل، پوری نماز تکبیر تحریمہ سے سلام تک نہیں سیکھی جا سکتی ہے؛ بلکہ یہ کہا جائے تب بھی درست ہے کہ صحیح بخاری سے کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس ترکیب کے ساتھ ایک جگہ نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

❖ مسئلہ کے ثابت ہونے کے لئے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس میں سے کسی بھی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

اجماع: یعنی کسی ایک زمانے میں رسولِ اکرم ﷺ کی امت کے صالح مجتہدین کا کسی ایک واقعہ اور امر پر اتفاق کرلینا۔

❖ قیاس کہتے ہیں: جب فرع مقیس میں اصل (مقیس علیہ) کی علت کے مانند علت پائی جائے تو اس علت کی وجہ سے فرع میں اصل کے حکم کے مانند حکم ظاہر کرنا جیسے ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ پانی کی کشتی اور کار وغیرہ میں نماز کا مسئلہ جانور پر نماز پڑھنے کو احادیث سے ثابت کرنا ہے وغیرہ۔

❖ کوئی شخص اگر صرف قرآن سے دلیل مانگتا ہے تو وہ منکرِ حدیث اور اگر صرف حدیث سے دلیل طلب کرتا ہے تو منکرِ فقہ ہے اور حدیث یا فقہ کا انکار کرنے والا اہلِ سنت والجماعت میں سے نہیں

ہے، اسی بات کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی آپ سے یہ پوچھتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حنفی تھے یا شافعی، اگر وہ ایسے نہیں تھے تو ہمیں ان میں سے کسی ایک کی پیروی کرنا کیوں ضروری ہے؟ تو اس سے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم بخاری، مسلم اور ترمذی پڑھا کرتے تھے، جب وہ نہیں پڑھا کرتے تھے تو ہمیں کیا ضرورت ہے؛ اس لئے صرف قرآن کافی ہے، بات بالکل واضح ہے کہ بخاری و مسلم کی احادیث تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے تھیں؛ مگر یہ کتابیں نہیں تھیں، اسی طرح یہ فقہ اور مسئلہ و مسائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے؛ مگر کتابوں اور مسلکوں کی شکل میں نہیں تھے۔

❖ چاروں امام مسئلہ شریعت کی روشنی میں بتاتے ہیں، بناتے نہیں ہیں، ان کے دلائل اپنی اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، جیسے حنفیہ کے دلائل اعلاء السنن بائیس جلدوں میں، بدائع الصنائع پانچ جلدوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

❖ امامِ اکبر، مجدد دِملت، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ نے انصاف میں لکھا ہے کہ ”دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہد امام کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین امام مجتہد کے مذہب پر اعتماد کرتے تھے، اور یہی چیز اس زمانے میں واجب تھی“۔(۱)

چنانچہ دوسری صدی کے بعد اَٹھانوے فیصد ہر مفسر، ہر محدث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے علماء کو دیکھئے وہ سب کسی نہ کسی مسلک کے متبع ہیں، پہلے مشہور عربی تفسیروں کو لیجئے! تفسیر احکام القرآن للجصاص، تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر ابوالسعود، تفسیر روح المعانی، تفسیر مظہری سب مفسرین حنفی ہیں، تفسیر بیضاوی، تفسیر البحر المحیط، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر خازن، تفسیر ابنِ کثیر وغیرہ شافعی علماء مفسرین ہیں، پھر ایک نظر ڈالئے، حدیث کی مشہور کتابوں پر وہ بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد کی لکھی ہوئی ہیں، امام تاج الدین سبکیؒ، علامہ نوویؒ اور نواب صدیق حسن بھوپالی، نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ نے امام بخاری کو شافعی قرار دیا ہے، علامہ ابنِ قیم، علامہ پاشاہ بغدادیؒ، علامہ ابنِ تیمیہؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ، امام ابوداؤد کو حنبلی المذہب لکھتے ہیں، امام نسائی کا بھی حنبلی ہونے کی علامہ ذہبیؒ اور امام سبکیؒ نے وضاحت کی ہے، امام ترمذیؒ کو بھی شاہ ولی اللہؒ نے حنبلی قرار دیا ہے، امام دار قطنیؒ، محدثِ بیہقیؒ، صاحبِ مشکوٰۃ شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیبؒ اور ابنِ حجرؒ سب شافعی ہیں، اگر آپ طبقات المفسرین، طبقات المحدثین، طبقات الفقہاء، طبقات المؤرخین، اور طبقات النحاۃ

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ، شرح حجۃ اللہ البالغۃ: ۶۷۵/۲، مکتبہ حجاز، دیوبند

والی کتابیں اگر اُٹھا کر دیکھیں گے تو اٹھانوے فیصدی قاری مسلکوں میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے والے ہیں، صحیح بخاری کو "اَصح الکتاب بعد کتاب اللہ" ہونے کا مقام پانچویں صدی کے بعد ملا ہے؛ لیکن چاروں مسلکوں کو پوری امتِ مسلمہ نے پوری دنیا میں دوسری صدی کے بعد قبول کرلیا تھا۔

❖ یاد رکھئے! حدیث اور سنت میں بڑا فرق ہے، اور حکم بھی دونوں کا الگ ہے؛ بہت سی روایات حدیثیں ہیں، مگر وہ سنت نہیں ہیں، حدیث کی تعریف یہ ہے: نبیٔ پاک ﷺ نے زندگی میں جو کچھ فرمایا اور جو کام بھی کیا یا کوئی عمل کسی مسلمان نے کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اِسے دیکھ یا جان کر نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ برقرار رکھا، ان تمام چیزوں کا نام حدیث ہے، اور سنت کی تعریف ہے "الطریقة المسلوکة فی الدین" وہ راستہ اور طریقہ جس پر مسلمان کو چلنا ہے، بہت سے روایات جو حدیث ہیں مگر سنت نہیں ہیں، جیسے......

"توضوأ ممّا مسّت النار" آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرو۔(۱) لیکن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے لیکن اس سے وضو نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ یہ حکم بعد میں نہیں رہا۔

غروبِ آفتاب کے بعد مغرب سے پہلے نفل پڑھنے پر حدیث ہے کہ "صلوا قبل المغرب" تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تیسری مرتبہ یہ اضافہ فرمایا: "لمن شاء" جو چاہے پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس لئے بڑھایا؛ تاکہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں "کراهية أن يتخذها الناس سنة"۔(۲)

نبیٔ رحمت ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ قوم کے کچرہ ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا: (۳) یہ حدیث ہے، مگر سنت نہیں ہے، سنت وہ ہے جو حضرتِ عائشہؓ فرماتی ہیں: من حدثكم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول قائمًا فلا تصدقوه ما كان يبول إلا قاعدًا (۴) اگر تم سے کوئی یہ بیان کرے کہ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی تھی تو ہرگز اس کی بات نہ ماننا، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔

---

(۱) مسلم: باب الوضوء مما مست النار، حدیث:۳۵۲

(۲) صحيح بخاری: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث:۱۱۲۸

(۳) صحيح بخاری: باب البول قائما وقاعدا، حدیث:۲۲۲

(۴) سنن ترمذی: باب ماجاء فی النهی عن البول قائمًا، حدیث:۱۲

جیسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتیں ہیں: نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علیکم بسنتی و سنة خلفاء الراشدین المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (۱) میری سنت کو مضبوطی سے پکڑو، اور نیک ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت دانتوں سے مضبوط پکڑو، جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے اعلانِ جنگ کیا، اس سے یہ سنت طئے ہوگئی کہ اگر کوئی مسلمانوں کی جماعت بالاتفاق شعائرِ اسلام جیسے اذان، ختنہ وغیرہ چھوڑ دے تو اسلامی حکومت ان سے جنگ کرے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے تراویح کی جماعت کروائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان ثانی بڑھائی، امت کو قرآن پڑھنے میں لغتِ قریش پر جمع کیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے موقع پر یہ سنت طئے فرمائی کہ اگر دو مسلمانوں کی جماعت میں لڑائی ہو تو ملنے والا مال، مالِ غنیمت نہیں ہوگا اور قیدی غلام، باندیاں نہیں بنائی جائیں گی۔

اور وہ روایات بہت زیادہ ہیں جو احادیث بھی ہیں، اور سنت بھی، اس لئے صرف کسی حدیث کو پڑھ کر سنت سمجھ کر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا ہے، جب تک صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور فقہاءِ کرامؒ کے فیصلہ کو نہ دیکھ لیا جائے، ابنِ ماجہ کی روایت ہے: العلم ثلاثة: آية محكمة وسنة قائمة وفريضة عادلة، (۲) علم تین چیزیں ہیں: آیتِ محکمہ، سنتِ قائمہ اور فریضۂ عادلہ۔ اور حدیث کے بارے میں فرمایا: "ایاکم و کثرة الحديث عنی" (۳) میری طرف سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے بچو۔ دارِ قطنی، الرد علی سیر الاوزاعی میں ہے، احادیث کو قرآن پر پیش کرو، جو موافقِ قرآن ہو وہ لے لو، اور جو خلافِ قرآن ہو، اسے چھوڑ دو، (۴) دارِ قطنی اور الکفایہ میں یہ روایت ہے کہ میری طرف سے بہت سی حدیثیں بیان کی جائیں گی، جو قرآن وسنت کے مخالف ہو، وہ میری نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح احادیث کے ضعیف اور صحیح ہونے کا فیصلہ ماہرین ہی کر سکتے ہیں اسی طرح کونسی حدیث سے کونسا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس کا فیصلہ نبض شناس فقہاءِ کرام ہی کر سکتے ہیں۔

---

(۱) سنن ترمذی : باب ماجاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن ابنِ ماجه: باب اجتناب الرای والقياس، حدیث نمبر:۵۴

(۳) مسندِ احمد: حدیث:۲۲۵۹۱، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ اور شیخین کے رجال ہیں۔

(۴) دار قطنی: کتاب عمر رضی اللہ عنه الی ابی موسیٰ الاشعری، حدیث نمبر:۲۰۱

❖ بعض لوگ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے حوالے سے یہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا علم جو حضرات ائمہ اربعہ سے بڑھ کر تھا، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کی جاتی ؟ اور لوگ ابوبکری وعمری نہیں کہلاتے ؟ اور حنفی وشافعی وغیرہ کہلاتے ہیں، حالانکہ احادیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کی پیروی کا صراحۃً حکم دیا گیا ہے۔

چند وجہ سے یہ اعتراض درست نہیں ہے چونکہ

۱- حضرات ائمہ اربعہ کے مسائل وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہوئے ہوتے ہیں۔

۲- مذاہبِ اربعہ کی کتابیں حضراتِ صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھرے پڑے ہیں، وہ ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، اِسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

۳- ابوبکری وعمری اس وجہ سے نہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے دینی مسائل کتب کی شکل میں جمع نہیں کئے، بخلاف ائمہ اربعہ کے خود انہوں نے یا ان کے لائق اور معتبر شاگردوں نے ان کے بیان کردہ مسائل جمع کئے ہیں؛ اس لئے ان مسائل کی نسبت ان کی طرف ہوئی۔

۴- جس طرح صحیح بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کتبِ حدیث حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ اور حضرت امام ابوداؤد وغیرہ نے مرتب اور مدون کی ہیں اور پوری فراست اور پوری دیانت کے ساتھ ان میں انہوں نے احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا ہے، اس لئے ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں، جس طرح صحیح بخاری کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں درج کردہ حدیثیں حضرت امام بخاریؒ کے اپنے اقوال بن جائیں، حدیثیں نہ رہیں، اسی طرح حضراتِ ائمہ اربعہ کی طرف مسائل کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار نہ رہیں، اور حقیقت بدل کر کوئی چیز بن جائے۔

۵- یا جیسے حضرت امام حفص کی قرأت (جو ہندوستان میں رائج ہے) یا ابنِ کثیرؒ اور امامِ نافعؒ وغیرہ قراء حضرات کی قرأت ان کی اپنی ایجاد نہیں، بلکہ (سات مشہور قاریوں) کی قرأت

خود صحیح حدیث (أنزل القرآن علی سبعة أحرف) ان حضراتِ قراء کی طرف قرأت کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ان کی اپنی ایجاد ہو، اسی طرح فقہ کی نسبت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضراتِ ائمہ اربعہ کی ایجاد ہو۔

۶- جس طرح حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، حضرت امام ابوداوٗدؒ، حضرت امام حفصؒ، حضرت نافعؒ اور حضرت امام ابنِ کثیرؒ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، ان کے زمانے کے مؤخر ہونے کی وجہ سے نہ تو احادیثِ رسول میں کوئی خرابی واقع ہوسکتی ہے اور نہ قرآنِ کریم کی قرأت میں کوئی خلل واقع ہوسکتا ہے، ایسے ہی ائمہ اربعہ کے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود نہ ہونے سے ان مسائل میں کوئی فرق واقع ہوسکتا ہے۔

۷- جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ حضرات محدثینِ کرامؒ نے اپنی خداداد قابلیت وصلاحیت سے احادیث کی صحت اور ضعف کو جانا ہے، اسی طرح حضراتِ فقہاء اللہ کی بخشی ہوئی قوت سے مسائل استنباط کئے ہیں جن کے بارے میں اس سے پہلے کسی نے کچھ نہیں کہا ہے، حضراتِ محدثینؒ نے جس طرح احادیث کی صحت وضعف کو سابقہ اس قسم کی مثال کے بغیر ایک معیار کے قائم کرنے میں لائقِ مذمت نہیں ہیں، ایسے ہی حضرات فقہاءِ کرام بھی فقہی جزئیات کے استخراج واستنباط میں قابلِ ملامت نہیں۔

۸- جیسے مثلاً قرأت امامِ حفص کہنے سے قرآنِ کریم نہیں بدلتا یا مثلاً احادیثِ صحیح بخاری کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے حدیث کا وجود تیسری صدی کی پیداوار نہیں ہوتا تو اسی طرح فقہ کا معاملہ بھی سمجھیں کہ کسی فقیہ اور مجتہد کی طرف نسبت سے وہ اس کی اپنی ذاتی ایجاد نہیں ہوجاتی۔(۱)

اب آخری دردمندانہ درخواست یہ ہے کہ ایسے دور میں جبکہ عیسائیت اور مغربیت نے تعلیم، فیشن، سیاسی بالادستی کے ذریعہ ساری دنیا میں فکری اور معاشرتی ارتداد پھیلا دیا ہو، اور قادیانیت شہروں اور دیہاتوں میں سادہ لوح مسلمانوں کو بے دین کررہے ہوں، ٹی وی، بے حیائی، جہیز، سود جیسے بدترین خدائی عذاب کو دعوت دینے والے گناہ مسلمانوں کی زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہوں، ان سب مسائل کو چھوڑ کر اپنی فکری، قلمی توانائیاں، اولیٰ اور غیر اولیٰ، مسنون اور غیر مسنون

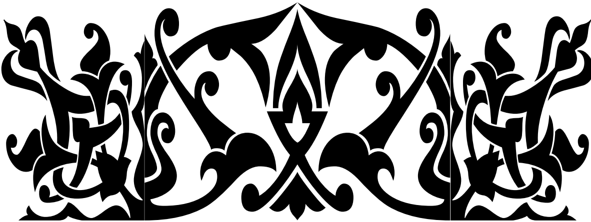
---

(۱) الکلام المفید فی اثبات التقلید: ۱۲۸-۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ علمیہ سہارنپور

مسائل پر لگانا نہایت نادانی اور حماقت کی بات ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک کوفہ کے رہنے والے شخص نے مچھر کے خون لگ جانے کا مسئلہ پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ان لوگوں کو دیکھو مجھ سے مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھ رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کیا ہے" انظروا إلى هؤلاء يسألوني عن دم البعوض وقد قتلوا ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم". (۱)

واضح رہے یہ کتاب قرآن وسنت اور فقہِ حنفی کی روشنی میں لکھی گئی ہے، جس سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حنفی نماز دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے، دیگر مسالک شافعی، مالکی اور حنبلی بھی اہلِ حق اور اہلِ سنت والجماعت میں سے ہیں، اور ان کے دلائل ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہیں، ان کی تردید یا تنقیص اس کتاب کا مقصود نہیں ہے اور سلفی اہلِ حدیث بھائیوں سے درخواست ہے کہ صرف ہٹ دھرمی اور بے بنیاد مناظروں کے جوش میں کتاب میں مذکور مستند، بحوالہ احادیث کا انکار کر کے گنہگار نہ ہوں، ٹھنڈے دل سے غیر جانبدارانہ طور پر تحقیق کر لیں، اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

محمد ابو بکر جابر قاسمی
۱۵/شعبان ۱۴۳۱ھ



(۱) بخاری: کتاب الا دب ، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ،حدیث:۵۶۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کی حقیقت

نماز ایک ایسی عبادت ہے، جس میں انسان کا پورا وجود خدا کی بندگی میں مشغول رہتا ہے، زبان خدا کے ذکر سے تر رہتی ہے، ہاتھ نیاز مندانہ خدا کے سامنے بندھے ہوئے ہیں، آنکھیں ایک غلام کی طرح جھکی ہوئی ہیں، جسم بے حرکت کھڑا ہے، پھر جب نمازی رکوع میں جاتا ہے تو فروتنی اور بڑھ جاتی ہے، پشت جھکی ہوئی، زبان پر تسبیح، اس کے بعد سجدہ کی منزل ہے، جو عجز وانکساری اور بے نفسی کا نقطۂ عروج ہے، سر، پیشانی اور ناک انسان کی عزت و وقار کی سب سے بڑی علامت ہے؛ لیکن خدا کے سامنے یہ سب زمین پر خاک آلود ہیں، ہاتھ رکھے ہوئے، جسم کے انگ انگ سے خود سپردگی اور غلامی و بندگی ظاہر ہے ہر لمحہ پر خدا کی کبریائی کا نظارہ ہے، اس کی حمد وثناء کا زمزمہ ہے، اِلحاح والتجا ہے، اپنی گنہ گاری کا اقرار واعتراف ہے۔

نمازِ فجر کا وقت

نمازِ فجر کا وقت صبح صادق (طلوع فجر) سے لے کر سورج کے نکلنے تک رہتا ہے۔

﴿1﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک نماز کے اوقات کے لئے ابتداء اور انتہاء ہے، اور بے شک فجر کی نماز کا اول وقت وہ ہوتا ہے جب فجر طلوع ہوتی ہے، اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے: ”انّ أوّل وقت الفجر حين يطلع الفجر وانّ اٰخر وقتها حين تطلع الشمس“(۱)

نماز فجر غَلَس (ابتدائے وقت اندھیرے میں) اور اِسفَار (ہلکا سا دن روشن ہونے کے بعد) دونوں وقت جائز ہے، البتہ اسفار میں زیادہ فضیلت ہے :

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰة، حدیث:۱۵۱، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: اس روایت کو محمد بن فضیل نے مرفوعا روایت کیا ہے مرسلا یہ روایت زیادہ صحیح ہے، اس باب میں عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت موجود ہے، ابنِ معین نے محمد بن فضیل کو ثقہ قرار دیا ہے۔

﴿2﴾ حضرت نافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر" فجر کو خوب اچھی طرح روشن کر کے پڑھو، اس میں زیادہ اجر وثواب ہے۔(۱)

﴿3﴾ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز خوب اُجالا کر کے پڑھتے تھے۔" کان عبدالله بن مسعود رضی الله عنه يُسفر بصلاة الغداة " (۲)

﴿4﴾ حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ اپنے موذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اُجالا کر، خوب اُجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو : "يقول لمؤذّنه، أسفر، أسفر يعنى بصلاة الصبح"(۳)

﴿5﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز پر اتنا اتفاقِ رائے نہیں ہے جتنا اتفاق نماز فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے "ما أجمع أصحاب محمد على شيءٍ ما أجمعوا على التنوير بالفجر" (۴)

ان صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے علاوہ دیگر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا معمول روشنی میں نماز پڑھنے کا تھا۔

نوٹ: البتہ رمضان المبارک میں سحری کے بعد ابتدائے وقت میں فجر کی نماز کے لئے نمازی جمع ہوجائیں، روزانہ کی طرح معمول کے وقت تک تاخیر سے جماعت میں شرکت کرنے والوں کی کمی، یا ان کی نماز چھوٹ جانے یا قضا ہوجانے یا لوگوں کے سوجانے کا اندیشہ ہوتو

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، حدیث:۱۵۴، امام ترمذی کہتے ہیں: رافع بن خدیج کی حدیث حسن اور صحیح ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس روایت کو حمیدی اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن:۹۹، باب ما جاء في الاسفار.

(۲) مجمع الزوائد، حدیث:۱۷۷۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی، عبد الرزاق اور ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن:۱۰۳، باب ما جاء فی الاسفار.

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب وقت الصبح، حدیث:۲۱۶۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو عبدالرزاق، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن :۱۰۲، باب ما جاء فی الاسفار

(۴) مصنف ابن ابی شیبه: باب من كان ينوّر بها ولا يرى به بأسا، اس روایت کو طحاوی نے بھی روایت کیا ہے، علامہ زیلعی فرماتے ہیں: یہ روایت سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

ابتدائے وقت میں (غلس) میں نماز درست ہے؛ کیونکہ غیر رمضان میں تاخیر کی اصل وجہ جماعت میں شرکت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہے۔

﴿6﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے میں نے کہا: دونوں کے درمیان کتنا وقت تھا؟ تو انہوں نے کہا: پچاس یا ساٹھ آیتوں کے بقدر: "قال: قد رخمسين أو ستين يعنی آية"(۱)

نماز ظہر کا وقت

ظہر کا وقت سورج کے درمیانی آسمان سے ڈھلنے سے لے کر ہر چیز کے سائے کے سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہونے تک رہتا ہے؛ البتہ اختلاف (فقہاء کے) سے بچنے کے لئے ایک مثل کے اندر ہی پڑھ لینا چاہیے؛ ہاں یہ کہ کوئی عذر ہو جیسے: گرمی وغیرہ میں تو دو مثل تک تاخیر کی جاسکتی ہے۔ (مثل کی تحقیق یہ ہے کہ: جس وقت سورج بالکل سر پر ہو، کسی سیدھی چیز مثلاً لکڑی زمین میں گاڑ کر دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، اس کو سایۂ اصلی کہتے ہیں، پھر جب اس لکڑی کا سایہ دو مثل-دوگنا- ہوجائے اصلی سایہ کے علاوہ تب عصر کا وقت شمار کیا جائے گا، مثلاً: لکڑی ایک گز کی ہے اور سورج سر پر رہنے کے وقت اس کا سایہ ایک بالشت ہے تو جب اس کا سایہ دو گز اور ایک بالشت ہوجائے گا تو سمجھئے کہ عصر کا وقت ہو گیا)۔

﴿7﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر کی نماز کا ابتدائی وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھلتا ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب عصر کی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے: "انّ اوّل وقت الظهر حين تزول الشمس واٰخر وقتهاحين يدخل وقت العصر"۔(۲)

﴿8﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "صلِّ الظهر إذا كان ظلّك مثلك، والعصر إذا كان ظلّك مثليك" ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو اور عصر کی

(۱) بخاری: کتاب مواقیت الصلاة، باب وقت الفجر، حدیث:۵۵۰

(۲) مسند احمد: حدیث:۲۱۷۲، شعیب الارناؤط کہتے ہیں ہیں: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال شیخین کے رجال ہیں، اس روایت کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے، وہاں اس کی سند کے حوالہ سے گفتگو گذر چکی ہے۔

نماز پڑھو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو۔(۱)

﴿9﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، مؤذن نے اذان دینا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''أَبْرِدْ'' (یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو) پھر کچھ دیر بعد مؤذن نے اذان دینا چاہا تو فرمایا کہ ''أبرد حتّیٰ ساویٰ الظلُّ التلول'' (یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو) یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو جائے۔(۲)

اس حدیث میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب مؤذن نے پہلی بار اذان کا ارادہ کیا تو یقیناً ظہر کا وقت ہو چکا تھا، پھر دوسری دفعہ انتظار کے بعد ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید انتظار کے لئے کہا ، پھر تیسری دفعہ انتظار کے بعد مؤذن نے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید انتظار کے لئے کہا، اور مزید یہ فرمایا کہ ''سایہ ٹیلوں کے برابر ہو جائے'' اس سے معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد دوسرے مثل میں نماز پڑھی گئی۔

اسی کو علامہ نووی رحمہ اللہ شارح مسلم نے یوں فرمایا ہے:''أخّر تاخيرًا كثيرًا حتّٰى صار لـلتلول فئى والتلول منحطة غير منتصبة، ولا يصير لها فئى فى العادة الّا بعد زوال الشمس بكثير'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ تاخیر کی، یہاں تک کہ ٹیلوں کا بھی سایہ ہونے لگا، حالانکہ وہ دبے ہوئے، پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، کھڑے ہوئے نہیں، اور عادۃً ان کا سایہ زوالِ شمس کے بہت بعد ہی ہوتا ہے۔(۳)

﴿10﴾ اس سلسلے میں معجم اوسط میں طبرانی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقاتِ نماز کا سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دِنوں تک وقت پر نماز پڑھ کر دکھایا، اس میں ظہر اور عصر کے بارے میں دوسرے دن کی نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ثم أذّن بلال رضی اللہ عنہ الغد للظهر حين دلكت الشمس، فأخّرها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتّى صار ظلّ كلّ شيئ مثله، فأمره، فأقام

---

(۱) مؤطا مالك: باب وقوت الصلوٰة، حديث:۱۲،مصنف عبدالرزاق: باب المواقيت، حديث:۲۰۴۱،علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے،اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) بخاری:باب الأذان للمسافر اذا كانوا جماعةً،حديث:۶۰۳

(۳) شرح مسلم:باب استحباب الابراد: ۱۱۹/۵،دار إحياء التراث العربى ، بيروت

وصلّی، ثمّ أذّن للعصر، فأخّرها رسول اللّٰہ ﷺ حتّی صار ظّل کلّ شیئ مثلیه، فأمرہٗ رسول اللّٰہ ﷺ فأقام وصلّی"(۱)

''پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن ظہر کی اذان سورج ڈھل جانے کے بعد دی، پس اللہ کے رسول ﷺ نے اس نماز کو مؤخر کیا حتی کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگیا، تو ان کو حکم دیا، پس اقامت کہی اور نماز پڑھی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان دی، پس آپ ﷺ نے اس کو بھی مؤخر کیا، حتی کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا، تب آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا، پس اقامت کہی اور نماز پڑھی''

اس روایت سے بھی پتہ چلا کہ ایک مثل ہونے کے بعد ظہر کا وقت رہتا ہے اور دو مثل ہونے کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ ظہر کو مؤخر کر کے دوسرے مثل میں کیوں پڑھتے؟

ظہر کی نماز سردی میں جلدی اور گرمی میں تاخیر کر کے پڑھنی مستحب ہے۔

﴿11﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:"کان النبی ﷺ إذا اشتدّ البرد بکّر بالصلوة، وإذا اشتدّ الحر أبرد بالصلوة" کہ جب سردی شدید ہوتی تھی تو آنحضرت ﷺ (ظہر) کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور جب گرمی شدید ہوتی تو (ظہر) کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔(۲)

﴿12﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (گرمی کے موسم میں) ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی تپش ہے: "أبردوا بالظهر فإن شدة الحرّ من فیح جهنم" (۳)

ان روایات سے پتہ چلا کہ نماز گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنی چاہئے، اور سردیوں میں جلدی، حضور اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب بیان الوقت، حدیث:۱۶۸۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) بخاری: باب اشتدّ الحرّ یوم الجمعة، حدیث:۸۶۴، تحقیق : مصطفي دیب البغا

(۳) بخاری: باب الابراد بالظهر فی شدّة الحرّ، حدیث:۵۱۳

نماز عصر کا وقت

عصر کی نماز کا وقت ہر چیز کے سائے کے اصلی سایہ کے علاوہ دو مثل سایہ ہونے سے لے کر غروبِ آفتاب (سورج ڈوبنے) تک ہوتا ہے؛ لیکن سورج کے زرد (پیلے) ہونے کے بعد عصر کا وقت مکروہ ہے؛ چنانچہ اس دن کی عصر نہ پڑھا ہو تو ایسے وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔

﴿13﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا: "من أدرك ركعةً من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر" (۱)

﴿14﴾ ام المومنین حضرت سلمہ ؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو ظہر کو تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز آنحضرت ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو: " كان رسول الله ﷺ أشدّ تعجيلاً للظهر منكم ،وأنتم أشدّ تعجيلاً للعصر منه" (۲)

﴿15﴾ علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ ﷺ عصر کی نماز موخر کر کے پڑھتے تھے، جب تک سورج صاف اور سفید ہوتا: "فكان يؤخّر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقيّةً "(۳)

ان روایات سے یہ پتہ چلا کہ عصر کی نماز تاخیر یعنی ہر چیز کے سایہ کے دو مثل ہونے کے بعد پڑھی جائے اور خصوصاً آخری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس قدر بھی موخر نہ کیا جائے کہ سورج میں زردی آجائے۔

نماز مغرب کا وقت

اس کا وقت غروب آفتاب (سورج ڈوبنے) سے لے کر آسمان پر پھیلی ہوئی سرخی کے بعد

---

(۱) مسلم: باب من ادرك ركعةً من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، حدیث:۶۰۸

(۲) ترمذی: باب ماجاء في تاخير صلٰوة العصر، حدیث:۱۶۱، علامہ نیموی فرماتے ہیں: "اس روایت کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے"۔

(۳) ابوداؤد: باب في وقت صلاة العصر، حدیث:۴۰۸، ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، علامہ زیلعی نے منذری کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ اس قسم کی روایتیں ان کے پاس حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔

سفیدی کے غروب ہونے تک رہتا ہے؛ البتہ پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے۔

﴿16﴾ سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: طویل حدیث ہے، مغرب کے وقت کے بارے میں فرماتے ہیں: "ثم أمره فأخّر المغرب الى قبيل أن يغيب الشفق" پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے شفق کے غائب ہونے سے پہلے تک مغرب کو مؤخر کیا۔(۱)

مذکورہ بالا روایت میں شفق سے مراد "شفق ابیض" (سفیدی) کا ختم ہونا ہے، اس پر درج ذیل روایت دلالت کرتی ہے۔

﴿17﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے جب اوقاتِ نماز کے بارے میں دریافت کیا تھا تو سورج غروب ہونے پر اذان ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مغرب کی نماز کو اس قدر مؤخر کیا تھا کہ دن کی سفیدی (شفق) غائب ہو جائے، اور ہمارے خیال میں وہی شفق ہے: "أخّرها رسول الله ﷺ حتّى كاد يغيب بياض النهار وهو الشفق فيما يرى" پھر حضور اکرم ﷺ کے حکم سے اقامت کہی گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی۔(۲)

﴿18﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لوگ برابر فطرت پر رہیں گے جب تک کہ وہ مغرب کی نماز ستاروں کے نمایاں ہونے سے پہلے پڑھتے رہیں گے: "لا تزال أمّتى بخير أو على الفطرة مالم يُؤَخّروا المغرب حتّى تشتبك النجوم" (۳)

نماز عشاء کا وقت

نماز عشاء کا وقت غروبِ شفق (سفیدی) سے رات کے ایک تہائی تک مستحب و پسندیدہ

---

(۱) ترمذی: باب مما جاء فى مواقيت الصلاة عن النبى ﷺ، حدیث: ۱۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن، غریب اور صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت علقمہ بن مرثد سے بھی مروی ہے۔

(۲) معجم الأوسط للطبرانى: حدیث: ۶۷۸۷، علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہے: مجمع الزوائد، حدیث: ۱۶۸۶

(۳) ابوداؤد: باب فى وقت المغرب، حدیث: ۴۱۸، مسند احمد: حدیث: ۲۳۶۲۹، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: یہ روایت محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن ہے، ابوداؤد نے اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، اور حاکم نے مزید اس کے ایک شاہد کا ذکر کیا ہے جس میں محمد بن اسحاق نہیں ہیں۔

ہوتا ہے اور آدھی رات تک مباح ہوتا ہے، اس کے بعد طلوعِ فجر تک مکروہ ہوتا ہے۔

﴿19﴾ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے مجھے نماز کے اوقات بتائے، اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب آسمان کے کنارے سیاہ ہو چکے تھے: "ویُصلی العشاء حین یسودّالأفق" (۱)

﴿20﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک عشاء کی نماز کا ابتدائی وقت اس وقت ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت (مباح) جب رات نصف ہو جائے: "اِنّ أوّل وقت العشاء حین یغیب الأفق واٰخر وقتها حین ینتصف اللیل" (۲)

﴿21﴾ حضرت خالد جُہنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: اگر میں اپنی امت پر دشواری محسوس نہ کرتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا، اور میں عشاء کی نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرتا: "لولا أن أ شُقّ علی أمّتی لأ مرتُهم بالسواك عند کلّ صلاة ولأخّرت صلوة العشاء الی ثلث اللیل" (۳)

﴿22﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو اس قدر مؤخر کیا کہ رات کا اکثر حصہ گذر گیا "حتّی ذهب عامّة اللیل" اور مسجد والے بھی سو گئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی "ثمّ خرج فصلّی" (۴)

بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا جائز نہیں

بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا جائز نہیں، اس پر درجِ ذیل آیات واحادیث دلالت

---

(۱) ابوداؤد: باب المواقیت، حدیث: ۳۹۴، اس حدیث کے رجال کو شوکانی نے صحیح قرار دیا ہے، ابن سید الناس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، خطابی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح سند سے مروی ہے، التعلیق الحسن مع اٰثار السنن: ۹۷، نیل الأوطار، باب وقت صلاۃ الفجر: ۱/۴۲۱

(۲) ترمذی: باب ممّاجاء فی مواقیت الصلوة، حدیث: ۱۵۱، سند کے حوالہ سے نمازِ فجر کا وقت، عنوان کے تحت پہلی حدیث میں گفتگو گذر چکی ہے

(۳) ترمذی: باب ما جاء فی السواك، حدیث: ۲۳، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے

(۴) مسلم: باب وقت العشاء وتاخیرها، حدیث: ۱۴۷۷

کرتے ہیں: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا بے شک نماز مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقت میں فرض ہے۔ (۱)

فَوَیْلٌ لِلْمُصَلِّیْنَ ، الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْن پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہے۔ (۲)

﴿23﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نماز وقت پر پڑھتے تھے، سوائے مزدلفہ اور عرفات کے: "یُصَلّی الصَّلٰوۃ لِوَقْتِهَا اِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَات" (۳)

﴿24﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے ابوذر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب کہ تمہارے حکمراں ایسے ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے یا نماز کو مار کے پڑھیں گے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا پھر میرے لئے آپ ﷺ کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا: "قال: صلّ الصلوۃ لوقتها" پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو دوبارہ پڑھ لینا، وہ تمہارے لئے نفل ہو جائیں گے۔ (۴)

﴿25﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا، وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہو گیا: "من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتٰی

---

(۱) نساء: ۱۰۳

(۲) ماعون: ۵۴ ابو جعفر طبری اپنی تفسیر "تفسیر الطبری" جو کہ "جامع لبیان فی تاویل القرآن" سے موسوم ہے، اس میں اس آیت کے تحت اس کے معنی مراری کے حوالے سے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں ان میں ان کا یہ قول ذکر کیا ہے "عنی بذالك أنهم يؤخر ونها عن وقتها، فلا يصلونها الا بعد خروج وقتها، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں، سے وقت کے نکل جانے کے بعد پڑھتے ہیں، پھر اس کا یہ مطلب مراد ہونے پر مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، ہم یہاں صرف رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کئے دیتے ہیں: قال: "الذين يؤخرون عن وقتها" جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔ تفسیر الطبری: ۶۳۱/۲۴، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

(۳) نسائی: باب الجمع بين الظهر والعصر بعرفة، حدیث: ۳۰۱۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۴۳۲، باب مایدلّ ان الجمع بین الصلاتین فی السفر کان جمعًا صوریًا، علامہ زیلعی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے: نصب الراية، أقوال العلماء فی البسملة: ۲۹۸/۱، دار الحدیث، مصر

(۴) مسلم: باب كراهية تا خير الصلاة عن وقتها المختار، حدیث: ۱۴۹۷

باباً من الکبائر"(۱)

﴿26﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: نماز میں کمی کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: تم نماز کو اس قدر مؤخر کرو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے: "أن تؤخّر حتی یجیء وقت العصر"(۲)

﴿27﴾ اسی قسم کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور انہوں نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی شکل میں روایت کیا ہے۔(۳)

﴿28﴾ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے تمام اطراف میں یہ لکھ بھیجا کہ لوگ دو نمازیں اکھٹی کر کے نہ پڑھیں: "أنّه کتب فی الاٰفاق ینهاهم أن یجمعو االصلوتین" اور انھیں اطلاع دی تھی کہ ایک وقت میں دو نمازیں اکٹھی نہ پڑھی جائیں۔ (۴)

﴿29﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔(۵)

﴿30﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی یہ فرمان جاری کیا تھا کہ دو نمازوں کو بغیر عذر کے اکٹھا نہ

---

(۱) ترمذی: باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، حدیث:۱۸۸، اس روایت کے ایک راوی حنش حسین بن قیس ہیں، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ محدثین کے یہاں ضعیف ہیں، انہیں امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں حنش عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے نقل کیا ہے، پھر فرمایا ہے حنش بن قیس الرجبی یہ ابوعلی کے نام سے مشہور ہیں، یمن کے باشندے ہیں، انہوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، یہ "ثقہ" ہیں، تہذیب میں اس حوالے سے طویل گفتگو کے بعد یوں ذکر کیا ہے: ابومحصن کا خیال ہے کہ یہ "شیخ صدوق" ہیں، ابوبکر بزار کہتے ہیں: یہ "لین الحدیث" ہے، اس کے علاوہ اس روایت کی ایک صحیح موقوف شاہد بھی موجود ہے، کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ "جان لو! دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اس روایت کو عبدالرزاق نے مصنف میں معمر عن قتادہ عن ابی العالیہ الریاحی کی سند سے روایت کیا ہے اس کے تمام رجال صحیح ہیں، اعلاء السنن :۲/۹۷، عدم جواز الجمع بین الصلاتین جمعًا حقیقیًا.

(۲) شرح معانی الاٰثار: باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو ،حدیث:۹۰۴، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) مسلم: باب قضاء الصلاۃ، حدیث:۶۸۱

(۴) مؤطا امام محمد :باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر، اثر : ۲۰۵، امام محمد فرماتے ہیں: ہمیں اس حدیث کی ثقہ لوگوں نے خبر دی ہے: عن العلاء بن الحارث عن مکحول "۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبه : باب من کره الجمع بین الصلوتین، حدیث:۸۳۳۷

پڑھی جائیں: ”لا تجمعوا بین الصلوتین الّا بعذر“(۱)

ان آیات واحادیث اورآثار سے یہ پتہ چلا کہ حج کے موسم میں مزدلفہ اورعرفات کے علاوہ بغیرکسی عذرشرعی کے دونمازیں اکٹھا پڑھنا جائزنہیں؛ کیونکہ آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اوقات مقرر ہیں، جس کی پابندی واہتمام نہ کرنا عذاب وپکڑ کا باعث ہوتا ہے، حضور ﷺ بھی نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کرتے تھے، آپ ﷺ نے وقت پر نماز کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے، بغیرکسی عذر کے دونمازوں کو اکٹھے پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمربن عبدالعزیزؒ نے بھی اپنی مملکت میں یہ فرامین جاری فرمائے تھے کہ دونمازیں اکٹھی نہ پڑھی جائیں، یہ گناہ کبیرہ ہے۔

جورکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو

جوشخص صرف سجدہ بھی نہ کرسکتا ہواور جورکوع سجدہ دونوں کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر قیام فرض نہیں ہے، ایسا شخص صحت مند ہونے تک بیٹھ کراشارہ سے پڑھے، سجدہ کے اشارہ کو رکوع سے زیادہ نیچے کرے، کوئی چیز سجدہ کیلئے نیچے رکھنا ضروری نہیں ہے :

قال الحصكفى: وان تعذرا (الركوع والسجود) ليس تعذّرهما شرطا بل تعذر السجود كاف (لا قيام أو مأ قاعدا وهو افضل من الايماء قائما لقربهٖ من الارض ويجعل سجودهٗ أخفض من ركوعه لزومًا ولا يرفع الى وجهه شيئًا يسجد عليه فانه يكره تحريمًا. (الدر المختار على هامش ردّ المختار باب صلوة المريض:ص/۹۷)

(۱) مصنف ابن شیبه: باب من كره الجمع بين الصلوتين من بغير عذر، حدیث:۸۳۳۳

اذان کی حقیقت

اذان کے معنی خبر دینا ہے، شریعت میں پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے مخصوص الفاظ سے اعلان کرنے کو اذان کہتے ہیں، اذان میں اسلام کی خاص شان کا اظہار ہوتا ہے، اسلام نے عبادت کے اعلان کا طریقہ یوں بتایا ہے کہ جو بجائے خود عبادت ہے، دیگر مذاہب وادیان پر نظر ڈالیں تو پانچ وقت کیا روزانہ ایک وقت بھی نہیں؛ بلکہ ہفتہ میں ایک بار لوگوں کو اکٹھا کرنے کیلئے گھنٹے، ناقوس وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے؛ لیکن اذان میں نہ گھنٹہ، نہ ناقوس وباجا، نہ گانا، نہ قومی نغمہ، نہ ملی ترانہ، نہ سیٹی نہ سنکھ، بس اللہ عزوجل کی حکومت وکبریائی، اللہ کی توحید، حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ نماز کے ذریعہ کامیابی کے حصول کے لئے بلایا جاتا ہے، یہ اذان کی حقیقت ہے۔

اسلام میں اذان کا آغاز

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے، کفار کی ایذا رسانیوں اور ان کی شبانہ روز تکلیفوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو نجات ملی سکون کے لمحات میسر آئے، تو آنحضرت ﷺ کو اولاً یکجا نماز کی ادائیگی کے لئے فکر ہوئی، پھر جماعت کے وقت سب کو بیک وقت حاضری کی اطلاع کے لئے طریقہ کا مسئلہ درپیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو کسی نے یہ رائے دی کہ اس کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے آگ روشن کرنے، کسی نے ناقوس بجانے، کسی نے گھنٹہ بجانے کی تجویز دی تو آپ ﷺ نے ان تمام آراء کو یہ کہہ کر رَد فرمایا کہ اس میں مروّجہ مذاہب کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، الغرض اس مسئلہ کے حل دریافت ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی سوچ وفکر میں اپنے گھر واپس ہوگئے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت ہی زیادہ متفکر تھے، ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن

عبدِرَبِّہ رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی اس بارے میں فکر کو دیکھ کر نہایت بے قرار ہو گئے، اسی رات ان کو خواب میں اذان کی تفصیل بتلائی گئی، انہوں نے صبح سویرے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ رؤیا حق (سچا خواب) ہے، یعنی یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے:

﴿31﴾ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص (جبرائیل علیہ السلام) ناقوس لئے جارہے ہیں، انہوں نے ان سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ انہوں نے کہا: تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا: اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے، اس نے کہا: میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور، انہوں نے کہا: یوں کہو:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ	اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہُ
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ	حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحُ	حَیَّ عَلَی الْفَلَاحُ
قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ	قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اللہ سب سے بڑا ہے	اللہ سب سے بڑا ہے۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔
آؤ نماز کی طرف	آؤ نماز کی طرف۔
آؤ کامیابی کیلئے	آؤ کامیابی کیلئے۔
نماز کھڑی ہو چکی ہے	نماز کھڑی ہو چکی ہے۔
اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر صبح ان صحابی رضی اللہ عنہ نے ساری تفصیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی، آپ ﷺ نے خواب کی تصدیق فرمائی، اور فرمایا کہ: تم بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ تم

نے دیکھا ہے انھیں بتلاؤ، وہ اذان کہیں گے؛ چونکہ ان کی آواز بلند ہے، چنانچہ وہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق الفاظِ اذان کی تلقین کرتے رہے، اور حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے رہے۔(۱)

﴿32﴾ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِنَ النَّوم" کا اضافہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔(۲)

﴿33﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مؤذن فجر کی اذان میں "حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح" کہنے کے بعد "الصلوۃ خیر من النوم" کہے۔(۳)

پانچوں نمازوں کیلئے اذان سنتِ موکدہ ہے :

﴿34﴾ "عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعًا: ثلاث علی کثبان المسك یوم القیامة (الٰی ان قال) رجل یُنادی بالصلوات الخمسة کلّ یومٍ و لیلةٍ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو پانچ وقت نماز کے لئے ہر روز اذان دیتا ہے۔(۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب کیف الاذان حدیث:۴۹۹، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن درجہ کی ہے، اثار السنن :۱۰۴، باب فی بدء الاذان محقق شعیب الارنوط فرماتے ہیں کہ: یہ روایت محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے، انہوں نے یہاں تحدیث کی تصریح بھی کی ہے، جس سے تدلیس کا شبہ ختم ہوجاتا ہے، اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مسند احمد: حدیث عبداللہ بن زید بن عبدربہ، حدیث: ۱۶۵۲۵

(۲) ابن ماجه: باب بدء الأذان، حدیث: ۷۰۷، بوصیری کہتے ہیں اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ اس میں انقطاع ہے، سعید بن مسیّب نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا ہے، اس روایت کے توابع اور شواہد موجود ہیں۔ مصباح الزجاجة : کتاب الأذان: ۱/۱۱۳، دار الجنان ، بیروت

(۳) صحیح ابن خزیمة: باب التثویب فی اذان الصبح، حدیث: ۳۸۶، علامہ نیموی فرماتے ہیں اس کو ابن خزیمہ، دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۱۵، باب ما جاء فی الصلاۃ خیر من النوم۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: خلاصة الأحکام: باب استحباب التثویب: ۱/۸۱۱، مؤسسة الرسالة ، بیروت

(۴) ترمذی: باب فضل المملوك الصالح، حدیث: ۱۹۸۶، ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن، غریب ہے، بوصیری کہتے ہیں کہ: یہ سند ضعیف ہے سعد کی اولاد قرط عمار، سعد اور عبدالرحمٰن کے ضعف کی وجہ سے، اس کو امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت جحیفہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے: مصباح الزجاجة: کتاب الأذان: ۱/۱۱۲

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے

﴿35﴾ "انّ رسول اللّٰہ ﷺ أمر بلالاً أن يجعل اصبعيه فى أذنيه، وانه أرفع لصوتك" آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے وقت اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھ لیا کرو، اس سے تمہاری آواز بلند ہوگی۔(۱)

﴿36﴾ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دورانِ اذان اِدھر اُدھر منہ پھیرتے ہوئے دیکھا ہے، ان کی دونوں انگلیاں کانوں میں رکھی ہوتیں "واصبعاه فى اذنيه"(۲)

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ کے وقت رُخ دائیں اور بائیں جانب پھیرنا مستحب ہے۔

﴿37﴾ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو میں دیکھتا تھا کہ وہ "حي على الصلوة"، "حي على الفلاح" پکارنے کے وقت دائیں بائیں رُخ پھیرتے تھے: "فجعلتُ اتّبع هٰهنا وهٰهنا يقول حى على الصلوة، حى على الفلاح" میں بھی ان کے ساتھ دائیں بائیں دیکھتا تھا۔(۳)

اذان مسجد سے باہر کہنا مستحب ہے۔

﴿38﴾ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنو نجار کی ایک خاتون سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتی تھیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب سب گھروں سے اونچا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر چڑھ کر اذانِ فجر پکارتے: " فكان بلال يؤذّن عليه "(۴)

---

(۱) ابن ماجه: باب السنة فى الأذان، حدیث:۷۱۰، ترمذی میں سند صحیح کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔

(۲) ترمذی: باب ادخال الاصبع فى الاذن عند الاذان، حدیث:۱۹۷، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس روایت کو ترمذی، احمد اور ابو عوانہ نے روایت کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۳) بخاری: باب هل يتبع المؤذن فاه هٰهنا و هٰهنا، حدیث:۶۰۸، محقق مصطفى ديب البغا

(۴) ابوداؤد: باب الأذان فوق المنارة، حدیث:۵۱۹، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے علامہ زیلعی نے ابن قطان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے: نصب الراية : احاديث الجمع بين الأذان: ۱/۲۳۳۔ دار الحديث، مصر

﴿39﴾ عبد اللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اذان کا منارے میں کہنا اور اقامت کا مسجد میں کہنا مسنون ہے اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی کرتے تھے۔ (۱)

اذان کا جواب دینا مستحب ہے (زبانی جواب دینا مستحب اور عملاً نماز کیلئے تیاری کرنا واجب ہے)۔

﴿40﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم اذان سنو تو مؤذن ہی کی طرح کہو "اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن" (۲)

﴿41﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں پھر تفصیلی روایت ہے کہ اذان کے جواب میں مؤذن کے مثل الفاظ سے جواب دینے کا ذکر ہے، البتہ "حيّ على الصلاة"، "حيّ على الفلاح" میں "لاحول ولا قوة الّا بالله" کہنے کا ذکر ہے (۳)

﴿42﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اذان دینے لگے، جب وہ اذان دے کر خاموش ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس جیسی بات کہی یقین سے (دِل کے اخلاص کے ساتھ) تو وہ جنت میں داخل ہوگا: "من قال مثل هذا يقينا (أى خالصًا مخلصًا من قلبه) دخل الجنة. (۴)

اذان سے فارغ ہو کر پہلے دُرودِ شریف اور پھر یہ دعا پڑھے

﴿43﴾ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ، اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ، وجبت له شفاعتى يوم القيامة "(۲)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: باب فى المؤذن يؤذن على المواضع المرتفعة، حديث:۲۳۳۱، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، یہ روایت مرسل ہے، عبد اللہ بن شقیق یا تو ثقفی ہیں یا مخزومی اور یہ ثقہ تابعی ہیں، اعلاء السنن:۱۴۰/۲

(۲) بخاری: باب ما يقول اذا سمع المنادى، حديث:۶۱۱، تحقیق زہیر ناصر

(۳) مسلم: باب استحباب القول مثل ما يقول المؤذن، حديث:۸۷۶

(۴) نسائی: ثواب ذلك "القول مثل ما يقول المؤذن" حديث:۶۷۴، حاکم نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبیؒ نے بھی "تلخیص" میں اسے صحیح کہا ہے: المستدرک: باب فى فضل الصلوات الخمس، حدیث:۷۳۵

(۵) صحيح بخاری: باب الدعاء عندالنداء، حديث:۵۸۹

ترجمہ: اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس صلوٰۃِ قائمہ دائمہ کے رب (یعنی: اے وہ اللہ! جس کیلئے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) اپنے رسول پاک محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما، اور ان کو مقامِ محمود پر سرفراز فرما، جس کا تو نے ان کیلئے وعدہ فرمایا ہے" جو بندہ اذان کے بعد یہ دُعا پڑھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہوگا۔

اقامت کا بیان

اقامت ان کلمات کو کہتے ہیں: جو نماز سے پہلے کہے جاتے ہیں، جن کا مقصد لوگوں کو جماعت کے سلسلے میں مطلع کرنا ہوتا ہے۔

﴿44﴾ اقامت کی ابتداء بھی اس وقت ہوئی جب اذان کی ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں کلمات اذان کے ساتھ کلماتِ اقامت بھی سنے تھے۔(۱)

اقامت میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحُ" کے بعد دو مرتبہ "قد قامت الصلوۃ" (بے شک نماز کھڑی ہوگئی) کہے۔

﴿45﴾ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جو انصار کے خاندان سے ہیں، وہ آئے، انہوں نے کہا: کہ اس شخص نے قبلہ رخ ہوکر اذان شروع کی اور دو دفعہ الفاظ کو دہرائے، پھر تھوڑی دیر وقفہ کیا، اس کے بعد اس نے قبلہ رخ ہوکر اقامت پڑھی، اس طرح دو دو بار، اور دو دو دفعہ الفاظ دُہرائے، البتہ "حیّ علی الفلاح" کے بعد دو مرتبہ "قد قامت الصلوٰۃ" کہا "ثمّ قام فقال مثلها الّا أنه زاد بعد ما قال حیّ علی الفلاح "قد قامت الصلوٰۃ" (۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب کیف الأذان، حدیث:۴۹۹، علامہ نیموی کہتے ہیں: اس روایت کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے، اثار السنن:۱۰۴، باب فی بدء الاذان

(۲) ابوداؤد: باب کیف الأذان، حدیث:۵۰۷، علامہ ابن حجر نے "التلخیص الحبیر" میں ابن حزم اور ابن دقیق العید کے حوالہ سے اس روایت کا صحیح ہونا نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ روایت گرچہ مرسل ہے لیکن دوسرے طرق میں اصحابِ محمد کے ذکر سے اس کا مسند ہونا متعین ہوجاتا ہے:۱/۲۰۳، اس روایت میں صحابی معاذ بن جبل ص کا نام مذکور ہے۔

﴿46﴾ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: ہم کو آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بتلایا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ (حضور اکرم ﷺ کے مؤذن) اذان و اقامت دُہری دُہری کہتے تھے: "فأذنّ مثنىٰ و أقام مثنى" (۱)

﴿47﴾ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے آپ کو اذان کے کلمات انیس سکھائے اور اقامت کے کلمات سترہ "علّمه الأذان تسع عشرة كلمةً والاقامة سبع عشرة كلمة" (۲)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اذان کے کلمات ہیں تو دراصل پندرہ ہی، لیکن چونکہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ شہادت کے کلموں کو آہستہ کہا تھا، پھر آپ ﷺ نے ان کو یہ کلمات بآوازِ بلند کہنے کو کہا تو پھر انہوں نے شہادت کے ان کلمات کو دو مرتبہ دوہرایا، اس طرح یہ انیس ہوئے۔

اقامت کے سترہ کلمات اسی وقت ہوں گے جبکہ شروع کی چار تکبیرات کے علاوہ باقی تمام کلمات کو دو دو دفعہ کہا جائے۔

﴿48﴾ مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شروع سے اخیر تک یہی معمول رہا کہ وہ اقامت کو دُوہری کہتے رہے ہیں، چنانچہ مشہور تابعی ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے "کان یثنّی الأذان والاقامۃ" (۳)، ان کے علاوہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (۴)، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی اقامت دوہری کہتے تھے۔ (۵)

---

(۱) سنن البیهقی الکبری: باب ما روی فی تثنیة الاذان والاقامة، حدیث:۱۸۲۹، علامہ ابن ترکمانی نے جوہر النقی میں اور ابن حزم نے محلی میں کہا ہے: یہ حدیث انتہائی درجہ کی صحیح ہے، التعلیق الحسن: ۱۱۰

(۲) ابوداؤد: باب کیف الأذان؟ حدیث:۵۰۲، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے ترمذی اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۰۵، باب ما جاء فی الترجیع، امام ترمذی نے بھی اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی: الترجیع فی الأذان، حدیث:۱۹۲)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کان یشفع الاقامة ویریٰ ان یثنّیها، ۲۱۵۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے عبدالرزاق، طحاوی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۱۳، باب فی تثنیة الاقامة.

(۴) دار قطنی، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۱۴، باب فی تثنیة الاقامة

(۵) طحاوی، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے طحاوی نے مرسلاً روایت کیا ہے۔

﴿49﴾ مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کے سامنے اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چیز امراء نے اپنی آسانی کے لئے ایجاد کر لی ہے، اقامت کے کلمات دو دو ہی ہیں: "هذا شيٌ استخفّه الأمراء، الاقامة مرّتين مرّتين" (۱)

﴿50﴾ هجيع بن قیسؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے، آپ ایک مؤذن کے پاس تشریف لائے، جو اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہتا تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ اقامت کے کلمات کو دو دو دفعہ کیوں نہیں کہتے: "الَا جعلتَها مثنیٰ" (۲)

﴿51﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا نہ چھوڑنا: "لا تـدَع أن تثنّی الإقامة "(۳)

﴿52﴾ حضرت ابو العالیہؒ نے بھی اقامت دوہرے کہے جانے کا فتویٰ دیا ہے۔(۴)

﴿53﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی اقامت دوہری کہتے ہیں۔(۵)

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دوہری کہی جائے اور یہی افضل ہے، اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذنین و دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔

مستحب اگر چہ موذن کا اقامت کہنا ہے؛ لیکن موذن کے علاوہ اگر دوسرا شخص اقامت کہے تو جائز ہے۔

﴿54﴾ حضرت محمد بن عبداللہؒ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان دکھلائی گئی، پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " فَاَقِمۡ اَنۡتَ" تم اقامت پڑھ لو۔(۶)

(۱) مصنف عبدالرزّاق: باب بدء الأذان ،۱۷۹۳،علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے عبدالرزاق، ابوبکر بن شیبہ اور طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۱۵
(۲) مصنف ابن ابی شیبه :باب من كان يشفع الأذان و يرىٰ ان يثنّيها،۲۱۴۹
(۳) مصنف ابن ابی شیبه: من كان يشفع الاقامةويرىٰ أن يثنّى،۲۱۴۹
(۴) مصنف ابن ابی شیبه: من كان يشفع الاقامةويرىٰ أن يثنّى،۲۱۵۳
(۵) مصنف ابن ابی شیبة:باب من كان يشفع ويرىٰ ان يثنى،۲۱۵۳
(۶) ابوداؤد: باب فی الرجل يُؤذن ويقيم اٰخر ،حدیث:۵۱۲،ابن عبدالبر اور حازمی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے: نصب الراية : أحاديث فی أن الأذان كان وحيا :۱/۲۲۲،دار الحديث ،مصر

اقامت کا جواب بھی اسی طرح مستحب ہے؛ کیونکہ حدیث میں اقامت کو مثلِ اذان فرمایا گیاہے اوراس کا جواب بھی اسی طرح ہے؛ البتہ "قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب میں "اَقَامَهَا اللّٰـهُ وَاَدَامَهَا" کہے۔

﴿55﴾ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی، جب انہوں نے "قد قامت الصلوة" کہاتو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً "أقامها الله وأدامها" اور باقی اقامت میں اذان کی طرح جواب دیا۔(۱)

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

اس بارے میں پہلے یہ جان لیناضروری ہے کہ اس حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا کیامعمول تھا؟

﴿56﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی کی گئی۔ہم کھڑے ہوئے، اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہم نے صفیں درست کرلیں "قُمنا فعدّلنا الصفوف قبل أن يخرج الينا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" (۲)

﴿57﴾ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہوجائےتوتم جب تک مجھےاپنی طرف آتانہ دیکھوتو کھڑے نہ ہو:"اِذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتّٰى ترونى"(۳)

اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتاہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی اقامت شروع کردیتے،اورصحابہ رضی اللہ عنہم حسبِ دستوراقامت کے ساتھ کھڑے ہوجاتے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دیرلگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ میرے نکلنے سے پہلے کھڑے نہ ہوں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطورِشفقت کے امت کومشقت سے بچانے کے لئے تھا)۔

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول اذاسمع الاقامة ،حدیث:۵۲۸،منذری کہتے ہیں:اس کی سند میں ایک شخص مجہول ہیں اوروہ شہربن حوشب ہیں، یحیٰ بن معین اوراحمد بن حنبل نے ان کی توثیق کی ہے، تحفة الاحوذی: باب ما يقول اذ اذن المؤذن،۱/۵۲۵

(۲) مسلم:باب متی يقوم الناس با لصلوة،حدیث:۶۰۵

(۳) بخاری :باب متی يقوم الناس اذا روا الامام عند الاقامة،حدیث:۶۱۱،مصطفى ديب البغا

﴿58﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی، اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے، "فیأخذ الناس مصافهم قبل ان يقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱)

﴿59﴾ اس سلسلے کی ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب "قد قامت الصلوة" کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے: "كان بلال إذا قال: قد قامت الصلوة: نهض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالتكبير" (۲)

﴿60﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفیں درست کرنے کے لئے لوگ متعین کردیئے تھے اور صفیں درست ہونے کی خبر جب تک نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہ کہتے تھے: " فلا يُكبّر حتّى يُخبر: أنّ الصفوف قد استوت، أخرجه الترمذی: وقال: روی عن علی وعثمان انّهما كان يتعاهدان ذلك" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس امر کا اہتمام کرتے تھے۔ (۳)

اور ظاہر ہے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ لوگ شروع ہی سے کھڑے ہوں، ورنہ اگر "حي على الصلوة" یا " حي على الفلاح "یا" قد قامت الصلوة " پر لوگ کھڑے ہوں تو اس کے بعد صفوں کو درست کیا جائے تو پھر اقامت ختم ہونے کے بعد کافی دیر بعد نماز شروع ہوگی جو بالاتفاق مذموم ہے۔

چنانچہ فقہاء احناف نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات نقل کی ہیں، وہ ان احادیث سے بہت قریب ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے "اگر مؤذن امام کے علاوہ کوئی اور شخص ہو، لوگ امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو جب مؤذن "حي على الفلاح " کہے تو لوگ اور امام کھڑے ہوجائیں، اور اگر امام پہلے سے مسجد میں نہ ہو، پھر وہ مسجد میں صفوں کی جانب سے گذرتا ہوا داخل ہو تو وہ جس

(۱) مسلم: باب متى يقوم الناس للصلوة، حدیث:۶۰۵

(۲) مسند بزار، مسند عبد الله بن أبي أوفى، حدیث:۳۳۷۱، یہ حدیث صحیح السند ہے، اس کے راوی حجاج بن فروخ جو ضعیف ہیں ان کی بعض لوگوں نے توثیق کی ہے، اعلاء السنن:۳۶۹/۴، باب وقت القيام الامام والمامومين للصلاة

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی اقامة الصفوف، حدیث:۲۲۷،

صف سے آگے بڑھے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور اگر امام مسجد میں سامنے کی سمت سے داخل ہو تو جیسے ہی امام پر نظر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔(۱)

خلاصۂ کلام

ان تمام روایات و آثار اور فقہاء کی تصریحات سے یہ پتہ چلا کہ ان حضرات کا معمول و دستور یہ تھا کہ امام جب مسجد میں آجائے تو اول اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو کر صفوں کو درست کرلیں، جس صورت میں امام پہلے سے محراب کے قریب بیٹھا ہو اس میں بھی "حي على الفلاح" پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صف بنانے میں کوئی دشواری پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو تو لوگ رُکے رہیں اور "قد قامت الصلوة" پر امام اور مقتدی دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوں، ورنہ پہلے سے کھڑے رہیں، غرض یہ کہ "حي على الفلاح" پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلافِ ادب ہے؛ کیونکہ طاعت کے لئے جلدی ہونا چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلافِ ادب ہے؛ بلکہ اور بھی زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے یہاں طاعت و عبادت کیلئے اور بھی جلدی ہے۔

اور یہ طریقہ جو مسجدوں میں اختیار کیا جاتا ہے کہ اقامت کے وقت امام باہر سے یا مسجد کے کسی گوشے سے چل کر آئے اور مصلے پر بیٹھ جائے اور اس بیٹھنے کو اس درجہ ضروری سمجھے کہ جو لوگ پہلے کھڑے ہوں ان کو بھی بیٹھ جانے کی تاکید کرے، جو نہ بیٹھے اس پر طعن کرے، یہ امت میں کسی امام، فقیہ کا مذہب نہیں، خالص بدعت ہے۔

اذان و اقامت میں انگوٹھے چومنا

اذان و اقامت دن و رات میں پورے سال پانچ بار دی جاتی ہے، اگر انگوٹھے چومنے کا عمل سنت یا جائز ہوتا تو اس بارے میں کثرت سے روایات منقول ہوتیں، خود حضور اکرم ﷺ کا عمل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل ہوتا، یہ عمل نہ تو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، نہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور نہ کسی صحیح سند سے۔

صرف ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب "اشهد انّ محمّدا رسول

(۱) فتاویٰ هنديه: ۱/۵۷، في كلمات الأذان

اللّٰہ“ سنا تو شہادت کی انگلی کے اندرونی حصہ کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے خلیل جیسا عمل کرے، اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگی، (اس روایت کو علامہ سخاویؒ نے ”المقاصد الحسنہ“ میں روایت کیا ہے اور خود فرمایا ہے: ”لا یصِحُّ“ یہ واقعہ سرے سے صحیح نہیں) ایسے ہی علامہ طاہر پٹنیؒ، اور ملا علی قاریؒ دونوں نے اسے ”تذکرۃ الموضوعات اور موضوعات الکبیر“ میں لکھا ہے اور اسے ”لا یصح“ (اس کی سند صحیح اور قابل اعتبار نہیں) کہا ہے۔(۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ”الأحادیث التی رُویت فی تقبیل الأنامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه عن المؤذن فی کلمة الشهادة، کلُّها موضوعات“ (۲) مؤذن سے کلمۂ شہادت سن کر انگلیوں کو چومنے اور ان کو آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں جو روایات ہیں وہ تمام کی تمام موضوع اور من گھڑت ہیں۔

گردن کا مسح

گردن کا مسح کرنا مستحب ہے، چھوڑنے سے کرنا بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عاصم انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وضو کیا اور سر کا مسح کیا، سامنے اور پچھلے حصہ پر شروعات سامنے سے کی، پھر دونوں ہاتھوں کو گدی (گردن) تک لے گئے، فاقبل بهما و أدبر، بدأ بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الی قفاه.

(بخاری: باب مسح الرأس کله، حدیث نمبر:۱۸۳)

حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کیا تو وہ شخص قیامت کے دن عذاب کے طوق سے بچایا جائے گا، من توضأ و مسح بیدیه علی عنقه وُقِیَ الغلّ یوم القیامة.

(التلخیص الحبیر، حدیث نمبر:۹۸، حدیثِ صحیح)

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات :۱۵/۱

(۱) تیسیر المقال للسیوطی

نماز کی شرطیں

شرط کہتے ہیں اس چیز کو جو کسی شیٔ کی حقیقت سے باہر ہو؛ لیکن اس کے بغیر وہ چیز نہ پائی جاسکتی ہو، نماز کے بھی چند شرائط ہیں، نماز کے صحیح ہونے کیلئے ان کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

۱- بدن کا پاک ہونا

نمازی کے بدن کا نجاستِ حقیقی یعنی پیشاب، پاخانہ، خون، پیپ، شراب وغیرہ سے پاک ہونا۔

وَالرُّجزَ فَاهْجُرْ اور گندگی کو اپنے آپ سے دور کرو۔(۱)

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اور اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ طہارت والوں کو پسند کرتا ہے۔(۲)

ایسے ہی نجاستِ حکمی سے بھی طہارت ضروری ہے (نجاستِ حکمی وہ ہے جو (غیر مرئی) نہ دکھائی دینے والی ہو جیسے: بے وضو ہونا، جنابت میں مبتلا ہونا، اور ایسے ہی حیض ونفاس۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَطَّهَّرُوْا اور اگر تم جنابت میں ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو۔(۳)

﴿61﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز جب تک کہ وہ بے وضو ہو قبول نہیں کرتا؛ یہاں تک کہ وہ وضو کرے: "لا تقبل صلوة احدكم اذا احدث حتى يتوضأ.(۴)

۲- کپڑوں کا پاک ہونا

نمازی کے کپڑوں کا بھی گندگی اور نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے لباس اور کپڑوں کو پاک کرو۔(۵)

(۱) المدثر:۵ (۲) التوبہ:۱۰۸ (۳) المائدہ:۶
(۴) مسلم: باب وجوب الطهارة للصلوة، حديث:۲۲۵ (۵) المدثر:۴

۳-جگہ کا پاک ہونا

بدن کی طرح نماز کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جگہ پاک ہو، جہاں نماز پڑھی جارہی ہے۔

وَ عَهِدْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْد ''اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو، طواف کرنے والوں، اعتکاف میں بیٹھنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے'' (۱)

۴-سترِ عورت

اعضاءِ مستورہ (قابلِ ستر اعضاء) کا نماز کیلئے ڈھانپنا فرض اور ضروری ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ (۲)

﴿62﴾ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتے: ''لا تقبل صلوة حائضٍ الّا بخمارٍ'' (۳)

مرد وعورت کے ستر کے حدود

مرد کے لئے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ڈھانپنا فرض ہے اور آزاد عورت کا مکمل جسم علاوہ چہرہ ہتھیلی اور پاؤں کے ستر ہے اس کا ڈھانپنا ضروری ہے۔

﴿63﴾ حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مرد کی ناف سے اس کے دونوں گھٹنوں تک ستر ہے: '' فإن ما أسفل من سرّته الی رکبتیه من عورته'' (۴)

---

(۱) البقرۃ: ۱۲۵ (۲) الاعراف: ۳۱

(۳) ابوداؤد: باب المرأة تُصلّی بغیر خمارٍ، حدیث: ۶۴۱، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، باب ما جاء لا تقبل صلاة الحائض الّا بخمارٍ، حدیث: ۳۷۷، محقق شعیب الارنوط نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۴) مسند احمد: حدیث: ۶۷۵۶، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، علامہ زیلعی فرماتے ہیں: دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے، اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

﴿64﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا سارا بدن ہی ستر ہے، "المرأة عورة"(۱)

﴿65﴾ عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: ولا یبدین زینتهن الآیة حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور عورتیں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں"، "زینتهنّ الاّ ماظهر منها، قال: ما فی الکفّ والوجه" سوائے ہاتھ اور ہتھیلی کے سر ڈھانپنا سنتِ موکدہ ہے۔(۲)

سر ڈھانپنا سنتِ مؤکدہ ہے

نماز کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ آدمی پورا لباس پہن کر نماز پڑھے اور سر کو بھی ڈھانپ رکھے۔

چونکہ ارشادِ خداوندی ہے: "خُذُوا زِینَتَکُم عِندَ کُلِّ مَسجِدٍ" (نماز کے وقت اپنا خوبصورت لباس اختیار کرو۔(۳)

چونکہ عمامہ اور ٹوپی بھی لباس میں شامل ہے؛ لہٰذا اس آیت کے بموجب نماز میں عمامہ اور ٹوپی پہننا چاہیے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی میں تو ہر شخص کو عام حالات میں بھی سر ڈھانپے رہنا چاہیے، اگر مجبوری کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو درست؛ لیکن کپڑے اور ٹوپی کے ہوتے ہوئے بھی ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱- مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔

۲- سستی کی وجہ سے کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے، جس سے ثواب کم ہو جاتا ہے۔

۳- ننگے سر نماز کو افضل و سنت سمجھنا اور نماز میں سر ڈھانپنے کو حقیر جاننا کفر ہے۔(۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تو پگڑی یا کسی کپڑے سے سر ڈھانپنے کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی بھی استعمال فرمائی ہے۔

---

(۱) ترمذی: ۱۱۷۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے، علامہ ہیثمی نے فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: حدیث نمبر: ۲۱۱۶

(۲) سنن کبری للبیهقی: ثیاب عورة المرأة الحرّة، ۳۰۲۹، صاحب عون المعبود فرماتے ہیں: اس کو ابو حاتم، بیہقی اور اسماعیل قاضی نے ابن عباس سے مرفوعا روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔: عون المعبود: باب فی العبدینظر إلی شعر: ۱۰۹/۱۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) الاعراف: ۳۱ (۴) فتاویٰ عالمگیری: ۱۰۶/۱

﴿66﴾ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "کان یلبس قلنسوۃ بیضاء" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔(۱)

﴿67﴾ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں "کُمَّۃ بیضاء" کا لفظ ہے، یعنی ٹوپی گول ہوتی تھی (جو سر پر چسپاں رہتی تھی)۔(۲)

﴿68﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے: "فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُکثِرُ القناعَ" (۳)

﴿69﴾ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے "باب من کان یسجد علی کور العمامۃ ولایری بہ بأسًا" ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس باب میں آٹھ حدیثیں درج ہیں۔ دوسرا باب "باب من کرہ السجود علی کور العمامۃ" ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ مکروہ ہے، اس باب میں بارہ حدیثیں ہیں، صرف ان دو بابوں کی بیس احادیث ہی کو دیکھ لیں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے۔

﴿71﴾ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ہمارے اور مشرکین کے درمیان مابہ الامتیاز (فرق) ٹوپیوں پر پگڑیاں ہیں: "فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس" (۴)

(۱) مجمع الزوائد: باب فی القلنسوۃ، حدیث:۸۵۰۵، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی عبداللہ بن خراش ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ کبھی غلطی کرتے ہیں، جمہور علماء نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

(۲) الطبرانی فی الاوسط، حدیث:۶۱۸۳، ابن عمر سے یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے، اس کو عبداللہ بن خراش نے تنہا روایت کیا ہے۔

(۳) شعب الایمان: فصل فی اکرام الشعر وتدھینہ واصلاحہ، حدیث:۶۴۶۴، ملا علی القاری فرماتے ہیں: اس روایت کو بغوی نے "شرح السنۃ" اور "مصابیح" میں ذکر کیا ہے، ایسے ہی ترمذی اور شمائل میں یہ روایت موجود ہے، جزری نے اس کے ایک راوی کو جو ترمذی کے راوی ہیں ضعیف کہا ہے؛ لیکن یہ ضعف نقصاندہ نہیں ہے۔(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: کتاب اللباس، باب الترجل: ۱۳/۱۸۱)

(۴) ترمذی: باب العمائم علي القلانس، حدیث:۱۷۸۴، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب کہا ہے اور اس کی سند کو "لیس بالقائم" ثابت نہیں ہے کہا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے، شاید ان کی سند قائم اور ثابت ہو (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس: ۸:۲۱۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

﴿۷۱﴾ مجلس، خطبہ، وفود کے استقبال یا جنگ اور عام حالات میں نبیٔ اکرم ﷺ کا معمول عمامہ ٹوپی پہننے ہی کا تھا اور وہی حالت افضل ہوسکتی ہے جس کو آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنایا ہے۔

﴿72﴾ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ''غدیر خم'' کے دن آپ ﷺ نے عمامہ پہنایا اور فرمایا: ''إن اللّٰہ أمدّنی یوم بدر وحنین بملائکۃ یعتمّون ھذہ العمامۃ'' اللہ عزوجل نے بدر وحنین کے دن ان عماموں کو پہننے والے فرشتوں سے میری مدد فرمائی ہے۔(۱)

عربوں میں یہ چیز فخر واعزاز کا سبب سمجھی جاتی تھی، چنانچہ حدیث ہے: ''العمامۃ تیجان العرب ، فإذا وضعوا العمائم وضعوا عزھم'' عمامہ عرب کا تاج ہے، ان کا عماموں کا رکھ دینا ان کی عزت کے چلے جانے کے مانند ہوتا ہے(۲) اور ایمان والے کو تو نماز کی حالت میں کم از کم اس سنت عادت پر عمل کرنا چاہیے (یعنی: سر کو چھپا کر نماز پڑھنا درجۂ کمال ہوگا)۔

﴿73﴾ محرم کے کپڑوں میں قمیص، نہ عمامے اور نہ پائجامے اور نہ ٹوپیاں اور نہ موزے پہنے جائیں، مگر یہ کہ اس کے جوتے (چپل) نہ ہو: ''لا یلبس القُمص، ولا العمائم، ولا السراویلات ولا البرانس ولاالخفاف الّا أحد لا یجد النعلین'' (۳)

﴿74﴾ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: لوگ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے، اور ان کے ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے: ''کان القوم یسجدون علی العمامۃ والقلنسوۃ، و یداہ فی کمّہ''(۴)

﴿75﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہمارے پاس سے گذر ہوا، وہ چپکی ہوئی ٹوپی پہنے ہوئے تھے: ''وعلیہ قلنسوۃ لاطئۃً''(۵)

---

(۱) سنن البیھقی الکبری: باب التحریض علی الرمی، حدیث:۱۹۵۲۰، اس روایت کے ایک راوی ابوالربیع سلمان ہیں، یہ قوی نہیں ہیں، اسماعیل بن عیاش نے اس بارے میں ان کی مخالفت کی ہے، بیہقی کہتے ہیں: عبداللہ بن بسر نے اس روایت کو منقطعًا روایت کیا ہے، اور یہ بھی قوی نہیں ہیں، بہر حال یہ روایت پچھلی روایت کیلئے مؤید ہے۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح : کتاب اللباس:۲۱۵/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) بخاری: باب البرانس، حدیث:۵۴۶۶

(۴) بخاری: باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر، حدیث:۳۷۸

(۵) الحاوی للفتاویٰ:۷۲/۱، باب اللباس، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت

صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: شہید چار طرح کے ہیں، ایک وہ پختہ ایمان والا شخص ہے جو میدانِ جنگ میں گھس جاتا ہے اور اللہ عزو ل کے وعدے کو سچ کر دِکھاتا ہے یہاں تک کہ قتل ہوجاتا ہے، یہی وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے دن اپنی آنکھیں اُٹھا کر دیکھیں گے، انہوں نے اپنے سر کو اُٹھایا تو اُن کی ٹوپی گر گئی اور ”ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته“ راوی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ یہ ٹوپی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔(۱)

جو لوگ ٹوپی کے عدم سنت کے قائل ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کپڑے میں بھی نماز پڑھی ہے۔(۲)

لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاقی عمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی عمل سر ڈھانک کر نماز پڑھنے کا تھا جیسا کہ معلوم ہوا، ظاہر ہے کہ چادر بطورِ تہبند آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ہوگی؛ لیکن ایسا صرف ایک واقعہ ثابت ہے اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ”کیا میری امت میں سبھوں کو دو کپڑے میسر ہوں گے“۔(۳)

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض اس بات کو بتانے کیلئے تھا کہ بغیر ٹوپی کے بھی نماز ادا ہوجاتی ہے، اگر کسی کے پاس سر ڈھکنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو اس کی وجہ سے نماز نہ چھوڑنی چاہیے، نہ یہ کہ کھلے سر نماز پڑھنا چاہیے، اگر کوئی شخص بخاری کی مذکورہ روایت پر عمل کرنا چاہتا ہو تو پھر کرتا اور بنیان پہننے کی بھی ضرورت نہیں، صرف پائجامہ یا لنگی پر ہی اسے اکتفا کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل یہ رہا ہے کہ بدن پر کپڑا ہو اور سر ٹوپی یا عمامے سے ڈھکا ہوا ہو۔

---

(۱) ترمذی: فضل الشهداء عند الله، حدیث:۱۶۴۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، غریب ہے، صرف عطاء بن دینار نے اُسے نقل کیا ہے، اور عطاء بن دینار: ان کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر فرماتے ہیں، اسے کبھی سعید بن ایوب دوسری سند سے عن عطاء بن دینار عن اشیاخ من خولان کے طریق سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس میں عطا کا ذکر نہیں کیا ہے، اور فرمایا کہ: عطاء بن دینار کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے

(۲) بخاری: باب الصلوٰة فی الثوب الواحد، حدیث:۳۴۷

(۳) مسند احمد : مسند أبی هريرة ، حدیث:۷۵۹۵، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

۵-وقت کا ہونا

نماز کے شرائط میں سے ایک وقت بھی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی ہے۔(۱)

۶- قبلہ کی طرف رُخ کرنا...... یہ بھی شرط نماز ہے

وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ اور تم جہاں بھی ہو پس اپنے چہرے کو بیت اللہ شریف کی طرف کرلو۔(۲)

اگر کسی ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی آدمی نہ ہوں کہ جن سے قبلہ دریافت کریں تو ایسی صورت میں خوب سوچ و بچار (تحرّی) کرکے ایک طرف رُخ متعین کرکے نماز پڑھے تو نماز درست ہو جائے گی، (گرچہ سمت قبلہ متعین کرنے میں غلطی کیوں نہ ہو)۔

﴿76﴾ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے یہی طریقہ کار اختیار کیا تھا۔(۳)

نماز کے دوران کسی نے بتایا کہ سمتِ کعبہ ادھر ہے تو اُس رخ پر پھر جائے، پچھلی نماز درست ہوگی۔

﴿77﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا کہ قبلہ (بیت المقدس) سے (خانہ کعبہ کی طرف) تبدیل ہو چکا ہے تو وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے: ”ان القبلة قد حُوّلت فمالو کما ھو نحو القبلة“ (۴) اس واقعہ کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

﴿78﴾ کشتی یا گاڑی میں قبلہ کی سمت اگر گھومتی جائے تو نمازی بھی گھومتا رہے، اگر ایسا ممکن نہ ہو، یا سامان کے چوری ہونے کا خطرہ ہے تو ابتداً قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز شروع کردے اور پھر پڑھتا رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نفل نماز میں کیا ہے۔

---

(۱) النساء:۱۰۲ (۲) البقرة:۱۴۴

(۳) ترمذی: باب ما جاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم، حدیث:۳۴۵، امام ترمذی فرماتے ہیں: ھذا حدیث لیس اسنادہ بذالک، اکثر اہل علم کا علم اسی پر ہے، علامہ البانی نے اِسے حسن کہا ہے، یہ حدیث محض اشعث بن سمان سے مروی ہے اور اشعث بن سمان یہ حدیث میں ضعیف ہیں۔

(۴) مسلم: باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة، حدیث:۵۲۷

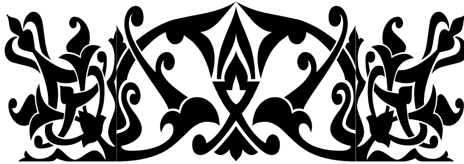
﴿70﴾ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر چاہے جدھر اس کا رُخ ہو نوافل اور وتر ادا فرماتے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر فرض ادا نہیں فرماتے: "ولم یکن یصنع ذلك فی الصلاة المکتوبة "(۱)

﴿80﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ کرتے تھے کہ اس حالت میں نوافل پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے اور پھر جدھر بھی آپ کی سواری کا رخ ہوتا پڑھتے تھے: " ثمّ یصلّی حیث وجّهه رکابه". (۲)

۷- نیت

نماز کیلئے نیت بھی ضروری ہے اور یہ بھی نماز کی شرط ہے: وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ اوران کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ (جس میں نیت کا صحیح ہونا بھی ہے) ادا کریں، یکسو ہو کر۔ (۳)

﴿81﴾ انّما الاعمال بالنیّات وانّما لکلّ امرءٍ ما نویٰ بیشک اعمال نیت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور بیشک آدمی کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ (۴)



---

(۱) بخاری: ابواب تقصیر الصلاة، باب ینزل للمکتوبة، حدیث: ۱۰۴۶، محقق مصطفی دیب البغا

(۲) ابوداؤد: باب التطوع علی الراحلة والوتر، حدیث: ۱۲۲۷، ابن الملقن فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اس کی تصحیح کی ہے (خلاصة البدر المنیر، باب استقبال القبلة: ۱/۳۵۲، مکتبة الرشد، الریاض)

(۳) سورة البینة: ۵

(۴) بخاری: کیف بدأ الوحی علی رسول اللّٰہ، حدیث: ۱

نماز کے فرائض

نماز میں چھ فرض ہیں: نماز کی صحت کیلئے ان کی رعایت ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔

۱- تکبیرِ تحریمہ

نماز کے شروع میں جو ''اَللّٰـــهُ اَکْـبَـرُ'' کہا جاتا ہے اُسے ''تحریمہ'' کہتے ہیں چونکہ نمازی ''اَللّٰـــهُ اَکْـبَـرُ'' کہتے ہی بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، جو اس عبادت کے آغاز سے پہلے اس کیلئے حلال تھیں جیسے: کھانا پینا، بات چیت وغیرہ۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور اُس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔(۱)

《82》 حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی چابی وضو ہے، اس کا تحریمہ تکبیر ہے اور اس سے باہر نکلنا سلام سے ہے: "تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم" (۲)

۲- قیام

قیام کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، نماز میں قرأت کے وقت خاص کیفیت کے ساتھ کھڑے ہونا ''قیام'' ہے، قیام فرض وواجب نمازوں میں فرض ہے، اگر بیماری کی وجہ سے کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو فرض وواجب نمازیں بھی بیٹھ کر ادا کی جا سکتی ہیں۔

《83》 حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بواسیر کے مریض تھے؛ اس لئے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں دشواری محسوس کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت

---

(۱) اعلیٰ :۱۵ (۲) ابوداؤد: باب فرض الوضوء، حدیث:۶۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے، اور اس باب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت سند کے اعتبار سے جید اور اصح ہے۔ (ترمذی، فی تحریم الصلاۃ وتحلیلها، حدیث:۲۳۸)

کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو پہلو پر لیٹ کر "صلّ قائمًا فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلٰی جنب"(۱)

۳-قرأت

قرأت یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے: فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ "قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو"۔(۲)

﴿84﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بغیر قرآن کے نماز نہیں ہوتی "لا صلٰوة الّا بقرأة "(۳)

﴿85﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگ "فاتحة الکتاب" سورۂ فاتحہ اور جو میسر ہو پڑھیں "نقرأ الفاتحة وماتیسر"۔(۴)

﴿86﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اسی وقت ایک شخص بھی مسجد میں آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر حضور ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، اور فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گیا اور نماز پڑھی، پھر آ کر سلام کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: واپس لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں تو اس سے اچھی نماز نہیں جانتا، آپ ﷺ مجھے سکھلا دیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جو تم کو میسر ہو قرآن پڑھو " ثمّ اقرأ ما تیسّر معك من القرآن" پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم اطمینان کے ساتھ جم کر رکوع کرو۔(۵)

---

(۱) بخاری: باب اذا لم یطق قاعدًا فعلٰی جنبٍ، حدیث:۱۰۶۶ (۲) المزّمل:۲۰

(۳) مسلم: باب وجوب قرأة الفاتحه فی کلّ رکعة، حدیث:۳۹۶

(۴) ابوداؤد: باب من ترك القرأة فی صلاته بفاتحة الکتاب، حدیث:۸۱۸، ابن سید الناس نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے، حافظ نے "تلخیص" میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور "درایہ" میں یہ کہا ہے کہ: ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے: التعلیق الحسن:۱۵۶، علامہ حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے سند قوی سے روایت کیا ہے (فتح الباری، باب وجوب القراءة للإمام :۲/۲۴۳، دار الفکر بیروت)

(۵) بخاری: باب وجوب القرأة للامام والمأموم، حدیث:۷۲۴

نوٹ: اس روایت میں ایک شخص کو نماز سکھائی جارہی ہے اور بار بار دہرایا جارہا ہے؛ یہاں تو ضروری تھا کہ سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے کی طرف متوجہ کرتے؛ مگر آپ ﷺ نے صرف قرآن پڑھنے کا ذکر فرمایا۔

﴿87﴾ حضرت حسن بصریؒ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی ﷺ کے پاس (مسجد نبوی میں) پہنچے تو آپ ﷺ رکوع میں جاچکے تھے، چنانچہ یہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے صف میں مل گئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر حریص کرے، پھر ایسا نہ کرنا: "فقال: زادك الله حرصًا ولا تعد" (۱)

ب-وضاحت

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو اس کی وہ رکعت ہوجائے گی، چونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بحالت رکوع دیکھا تو وہ بھی فوراً رکوع میں چلے گئے، حضور ﷺ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو دعا دی، اور فرمایا: ایسا نہ کرنا، یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، اسے لوٹاؤ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ فرض نہیں، اگر فرض ہوتی تو حضور ﷺ انہیں نماز لوٹانے کا حکم کرتے۔

﴿88﴾ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، اس دوران حضور ﷺ تشریف لائے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے حضور ﷺ نے نماز پڑھائی آپ ﷺ نے اس روایت کے مطابق وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چھوڑی تھی اور وہ سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ شروع کر چکے تھے، اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لئے فرض ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نماز نہیں ہوئی (نعوذ باللہ) اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ فرض نہیں، مطلق قرأت فرض ہے۔ (۲)

---

(۱) بخاری: باب اذا ركع دون الصف، حدیث نمبر: ۷۵۰

(۲) ابن ماجه: باب ما جاء فی صلاة رسول الله فی مرضه، ۱۲۳۵، بصیری نے کہا ہے: اس سند کے رجال ثقہ ہیں، لیکن ابواسحاق کو آخری عمر میں اختلاط (ذہنی کمزوری) ہوگیا تھا، اور یہ تدلیس بھی کرتے ہیں، انہوں نے "عن" سے روایت کیا ہے، مسند احمد میں بھی اس روایت کا ذکر ہے، محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو "صحیح" کہا ہے (مسند احمد: ۳۵۶/۱، مطبوعہ: مؤسسة القرطبة القاهرة) انوار الباری: ۸۰/۱۴، میں حافظ ابن حجر سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ سند قوی ہے۔

پانچوں فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں ،وتر ،نفل، جمعہ اور عیدین کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے،فرض کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مسنون ہے۔

﴿89﴾ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھتے تھے،اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے: ”ویقرأ فی الرکعتین الأخریین بفاتحة الکتاب“ ۔(۱)

۴-رکوع

رکوع کے معنی سر جھکانے کے ہیں،اصطلاح میں رکوع نماز کی مخصوص کیفیت کا نام ہے جس میں انسان خدا کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار کیلئے اپنے سر اور پشت کو جھکا کر نیازمندانہ کھڑا ہوتا اور اپنے مالک کی تسبیح بیان کرتا ہے،رکوع بھی نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہے،باری تعالٰی کا ارشاد ہے:وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔(۲)

اللہ عزوجل نے کافروں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔(۳)

۵-سجدہ

سجدہ کے معنی جھکنے کے ہیں،سجدہ انکساری وعاجزی کی آخری اور بالکل انتہائی شکل ہے،اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو اعضاءِ انسانی میں سب سے زیادہ احترام کی علامت ہیں،خاک پر رکھتا ہے،سجدہ بھی نماز کے فرائض میں سے ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔(۴)

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّـةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ (۵)

---

(۱) مسلم:باب القرأة فی الظہر والعصر،حدیث:۴۵۱ (۲) البقرۃ:۴۳

(۳) مرسلات:۴۸ (۴) الحج:۷۷ (۵) القلم:۴۲،۴۳

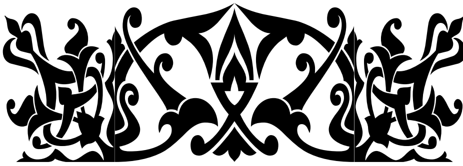
”جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اوران کوسجدے کیلئے بلایا جائے گا،تو یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے آنکھیں پست ہوں گی اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی؛ حالانکہ انکو پہلے سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھااور وہ صحیح سالم تھے“

٦- قعدہ اخیرہ

نماز میں قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے؛ لہٰذا اگر قعدہ اخیرہ میں نہ بیٹھا تو نماز باطل ہوجائے گی۔

﴿90﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشہد کی تعلیم دی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: قل ”اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ“ فإذا قضيت هذا أو قال: فعلت هذا فقد قضيت صلوٰتك“ کہ ” التحيات لله “ پڑھو، اور پھر آخر میں فرمایا: جب تم نے اس کو پورا کرلیا، یا جب تم نے ایسا کرلیا تو تم نے اپنی نماز پوری کرلیا۔(۱)

یعنی تشہد پڑھنا اور بیٹھنا ،اس پر نماز کے مکمل ہونے کو موقوف کیا ہے، اس سے اس کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔



(۱) مسند احمد : حدیث:۴۰۰۶،مع تعلیق: شعیب الارنؤط،مجمع الزوائد: ، باب التشهد والجلوس والإشارة بالإصبع فيه ،حدیث:۲۸۶۱ میں ہے:اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے ،مسند احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

نماز کے واجبات

واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوجاتی ہے، واجب اگر بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہوسکتی ہے۔

۱- سورہ فاتحہ کا پڑھنا

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے (امام، مسبوق اور منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کیلئے)۔

﴿91﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں اس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہوگی "من صلّی صلوٰۃً لم یقرأ فیھا بأمّ القراٰن فھی خداج" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا (۱)

استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ رکن نہیں ہے؛ کیونکہ خداج ناقص کے معنی میں آتا ہے اور اگر رکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے کہ نماز باطل ہے؛ کیونکہ رکن کے چھوڑنے سے بطلان لازم آتا ہے، نقصان اور کمی یہ واجب کے چھوڑنے سے ہوتی ہے" (۲)

۲- فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کا ملانا

ضمِّ سورہ مع الفاتحہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں (مقتدی کے علاوہ) اور باقی کی جملہ رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضمّ سورۃ (سورۃ کا ملانا) واجب ہے۔

---

(۱) ابو داؤد: باب من ترك القرأة فی صلوٰته بفاتحة الکتاب، حدیث:۸۲۱، علامہ نیموی نے کہا ہے: اس کو احمد، ابن ماجہ، طحاوی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے: اٰثار السنن:۱۵۶، باب فی قراۃ الفاتحۃ

(۲) السعایہ:۲/۱۲۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

﴿92﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۂ فاتحہ اور جو کچھ میسر ہو پڑھیں "أمرنا نبیّنا صلی اللّٰہ علیه وسلم أن نقرء بفاتحة الکتاب وما تیسر" (۱)

۳- تعدیل ارکان

نماز میں تعدیل ارکان بھی واجب ہے، یعنی رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ کو اطمینان سے ادا کرنا۔

﴿93﴾ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے (حدیثِ مسیٔ الصلوٰة) کہ ایک شخص نے مسجد نبوی میں آکر نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد آنخضرت ﷺ جو مسجد میں تشریف فرما تھے، اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے اس کی نماز کو نامکمل قرار دے کر اعادہ کا حکم دیا، الغرض اس نے تین مرتبہ آپ ﷺ کے حکم سے لوٹا کر نماز ادا کی، پھر آپ ﷺ نے اسے یہ تعلیم دی کہ نماز کے ہر جزء کو نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کرے، اس روایت سے تعدیل ارکان کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نماز کے تیسرے رکن قرأت کے تحت یہ روایت گذر چکی ہے۔(۲)

۴- قرأت کیلئے فرض کی پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا

فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے متعین کرنا واجب ہے، اگر پہلی دو رکعتوں میں ضم سورۃ نہ کیا تو آخری دو رکعتوں میں ضم سورۃ کرے اور پھر آخر میں سجدہ سہو کرے۔

﴿94﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا بھول جائے اور آخری دو رکعتوں میں پڑھے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ انہوں نے کہا: اس کی نماز درست ہوگی، (انشاء اللہ) حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: ہم اس کے ساتھ کہتے کہ سجدہ سہو کرنا پڑے گا، "ونحن نقول: یسجد سجدة السهو" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب من ترك القرأة فی صلوٰته بفاتحة الکتاب، حدیث:۸۱۸، نماز کے فرائض "قرأت" کے تحت روایت نمبر ۸۶ میں اس کی سند پر بحث گذر چکی ہے۔

(۲) بخاری: باب وجوب القرأة للامام والمأموم، حدیث:۷۲۴

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب من نسی القرأة:۲۷۵۸، تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۵- رعایتِ ترتیب یعنی ارکان میں ترتیب قائم رکھنا

نمازی کے لئے قرأت، رکوع، سجود میں ترتیب قائم رکھنا بھی ضروری ہے، پہلے قیام، پھر قرأت، پھر رکوع، پھر سجدہ اور آخر میں قعدہ۔

﴿95﴾ اس کے وجوب پر حدیث "مسىء الصلوٰة" دلالت کرتی ہے، جو تعدیل ارکان کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول گذر چکی ہے۔

٦- پہلا قعدہ (قعدہ اولیٰ بھی واجب ہے)

﴿96﴾ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے: آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کیلئے بیٹھنا ہے "وكان يقول فى كلّ ركعتين التحيّة" آپ ﷺ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے تھے۔(۱)

۷-تشہد پڑھنا

دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا بھی واجب ہے۔

﴿97﴾ عن عمر ابن خطاب رضى الله عنه قال: "لا تجوز صلاة الّا بتشهّدٍ"
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ نماز بغیر تشہد کے نہیں ہوتی۔(۲)

۸-جہر اور سر

امام کیلئے جہری نمازوں میں جہر (آواز سے قرأت) اور سری نمازوں میں (آہستہ قرأت والی نمازوں میں آہستہ) پڑھنا واجب ہے۔

﴿98﴾ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرأت میں وہاں جہر کرتا ہے جہاں جہر نہیں کیا جاتا، انہوں نے کہا: وہ دو سجدہ کرے "يسجد سجدتى السهو" (۳)

---

(۱) مسلم: باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به، حدیث: ۴۹۸

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب من نسى التشهد، ۳۰۸۰، یہ اثر اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے تاہم شواہد کی بناء پر مقبول ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان جهر فيما يخافت فيه سجد، یہ روایت یونس کی وجہ سے حسن ہے۔

۹-لفظِ سلام سے نکلنا

لفظ سلام سے نکلنا بھی واجب ہے:

﴿99﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی چابی طہارت ہے (طہارت ہی سے نماز میں داخل ہوا جاتا ہے) اور نماز کا تحریمہ (یعنی تمام چیزوں کا اس حالت میں ممنوع ہوجانا) تکبیر ہے "تحریمها التكبير وتحليلها التسليم" (۱)

۱۰- وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت

﴿100﴾ عن حمادؒ وسفیانؒ "اذا نسي القنوت فی الوتر، فعليه سجدتا السهو"
حضرت حمادؒ وسفیانؒ بیان کرتے ہیں: جو شخص وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے، تو وہ سجدۂ سہو کرے۔(۲)

نماز کی سنتیں

(۱) اذان۔
(۲) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔
(۳) تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو اپنی حالت میں قبلہ رخ رکھنا۔
(۴) امام کا تکبیر کو بآواز بلند کہنا۔
(۵) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔
(٦) مرد کا ہاتھوں کو ناف کے نیچے اور عورت کا سینے کے نیچے رکھنا۔
(۷) ثناء پڑھنا۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فرض الوضوء، حدیث:٦١، علامہ نیموی نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، حدیث نمبر (۸۲) کے تحت اس روایت کی سند پر بحث گذر چکی ہے۔

(۲) صلاة الوتر لمحمد بن المزوری، باب من نسي القنوت سجد للسهو، سنن کبریٰ للبیهقی: باب من نسي القرأة سجد للسهو، ۳٦۹۲، مع تحقیق: عبدالقادر عطا

(۸) اعوذ باللہ پڑھنا۔

(۹) بسم اللہ پڑھنا۔

(۱۰) آمین کہنا۔

(۱۱) ان تمام کو آہستہ کہنا۔

(۱۲) رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا۔

(۱۳) رکوع کی تسبیحات۔

(۱۴) سجدے کی تسبیحات۔

(۱۵) رکوع کی حالت میں گھٹنوں کو کھلی انگلیوں سے پکڑنا۔

(۱۶) رکوع سے اٹھتے ہوئے امام کا "سمع اللہ لمن حمدہ" اور مقتدی کا "ربّنا لك الحمد" کہنا اور منفرد کا دونوں کہنا۔

(۱۷) سجدے میں پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا، پھر ہاتھ اور پیشانی (سجدے سے اٹھنے میں اس کا الٹا)۔

(۱۸) قعدہ اولیٰ اور ثانیہ میں مرد کیلئے بائیں پاؤں کو نیچے بچھانا اور دائیں پاؤں کو قبلہ رُخ کھڑا کرنا اور عورت کیلئے "تورُّك" یعنی دونوں پاؤں دائیں طرف سے نکال کر سرین پر بیٹھنا۔

(۱۹) تشہد میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔

(۲۰) شہادت کے وقت مسبّحہ (شہادت کی انگلی) سے ساتھ اشارہ کرنا۔

(۲۱) نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا۔

(۲۲) دعائے ماثورہ پڑھنا۔

(۲۳) دائیں طرف سلام پھیرنا۔

(۲۴) فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔

نماز کے مستحبّات

(۱) تحریمہ کے وقت مرد ہاتھ آستینوں سے باہر نکالیں اور عورتیں اندر ہی رکھیں۔

(۲) قیام اور رکوع کی حالت میں تقریباً چار انگلیوں کا فاصلہ پاؤں کے درمیان رکھیں۔

(۳) منفرد رکوع اور سجود میں تین مرتبہ سے زیادہ مگر طاق مرتبہ تسبیحات کہے۔

(۴) قیام کی حالت میں نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھیں، رکوع کی حالت میں پاؤں کی پشت پر جلسہ اور قاعدہ کی حالت میں گود میں، اور سلام کے وقت مونڈھے پر رکھنی چاہیئے۔

(۵) جمائی کے وقت منہ بند رکھنا، قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ کے پشت سے، باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کے پشت سے، یا آستین سے منہ بند کرنا۔

نوٹ: نماز کی سنتوں اور اس کے مستحبات کے دلائل قرآن وحدیث کی روشنی میں ''نماز پڑھنے کا طریقہ'' درج ذیل عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

ان کی خشوع خضوع والی نمازیں

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں اچھی طرح وضو کر کے مصلے پر آتا ہوں، بیٹھ کر سارے اعضاء وجوارح کو پر سکون کر کے پھر نماز کیلئے کھڑے ہوتا ہوں، کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کعبہ میرے سامنے، جنت میرے دائیں جانب، جہنم میرے بائیں جانب، ملک الموت میرے پیچھے، گویا یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، اُمید وخوف کے تصور کے ساتھ واضح طور پر تکبیر تحریمہ کہتا ہوں، ٹھہر ٹھہر کر صاف تلاوت کرتا ہوں، رکوع میں تواضع سجدہ میں خشوع ہوتا ہے، رِیاء سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں پھر ڈرتا ہوں کہ میری نماز قبول ہوئی یا نہیں؟ (احیاء العلوم: ۱/۱۷۹)

حضرت معاویہ بن مرّہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، آج اگر وہ تمہارے درمیان آجائے تو تمہاری بگڑی ہوئی دین کی شکل میں سے صرف اذان کو سمجھ پائیں گے (باقی سارا دین رُوح سے خالی ہے) ان کے زمانے میں اذان کے کلمات اور مؤذن صالح اور متشرع ہوا کرتے تھے، شاید ہمارے زمانے کو دیکھ کر میمون بن مہران نے فرمایا: اگر سلفِ صالحین زندہ ہو جائیں تو وہ صرف تمہارے قبلہ کو پہچان پائیں گے ما عرف الا قبلتکم۔

(حلیۃ الاولیاء :۲/۲۹۹)

مسنون نماز

تکبیر تحریمہ سے سلام تک

احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

نماز پڑھنے کا طریقہ

﴿101﴾ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (۱) میرے طریقے پر نماز پڑھو۔ بندہ جس وقت نماز کیلئے کھڑا ہونے لگے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے والی پیشی کو یاد کرے، ندامت وحیاء اور خوف کے ساتھ اس کے دل کی یہ حالت ہو کہ جو نہایت محسن آقا کے سامنے حاضری کے وقت کسی بھاگے ہوئے غلام کی ہوتی ہے، اور یہ فضیلت بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اللہ کے سامنے حضوری اور انتہائی قرب کا موقع ہے، اور یہ بھی خیال ہو کہ کیا خبر ہے کہ یہی نماز میری آخری نماز ہو، اور اس کے بعد کوئی نماز پڑھنی مجھے نصیب ہو یا نہ ہو۔

قیام

نماز کا ارادہ کرے تو باوضو قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور یہ خیال کرے جس طرح میں نے اپنے جسم کا رُخ بیت اللہ کی طرف کر لیا ہے، جو ہمارے جسموں کا قبلہ ہے، اسی طرح میرے دل کا رُخ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف ہونا چاہئے جو دِلوں اور رُوحوں کا قبلہ ہے، ارشادِ خداوندی ہے: قُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اللہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ عاجزی کرتے ہوئے (۲) چونکہ نماز کے باہر قیام ضروری نہیں؛ لٰہذا یہ کھڑے ہونے کا حکم نماز ہی سے متعلق ہے۔

قیام میں دونوں پیر قبلہ رُخ رہیں

﴿102﴾ امام بخاریؒ "باب فضل استقبال القبلة" میں لکھتے ہیں: "يستقبل باطراف رجليه القبلة، قاله أبو حميد (الساعدی) عن النبی ﷺ" حضرت ابوحمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے تھے۔

---

(۱) بخاری: باب الاذان للمسافرین، حدیث: ۶۰۵ (۲) البقرة: ۲۳۸

صف کی درستگی

با جماعت نماز میں بالکل سیدھے اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ ایک دوسرے کے بازو ملے ہوں، درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

﴿103﴾ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ گویا ان صفوں سے نیزے سیدھے کر رہے ہوں "كان رسول الله يُسوّي صفوفنا كأنّما يُسوّي بها القداح" (١)

﴿104﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اقیموا صفوفکم وتراصّوا فانی اراکم من ورائی ظھری (٢)

﴿105﴾ حضرت انس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت میں مروی ہے کہ "وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه" ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے پیروں کو اپنے ساتھی کے پیروں سے ملاتا تھا۔ (٣)

مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک صف کے درمیان خلا کو پر کرنے میں انتہائی اہتمام کرتا تھا، یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک اپنے قدم کو دوسرے کے قدم سے واقعی ملا لیتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شارح بخاری حدیث کے ان الفاظ کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف وسدّ خلله (٤) امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے صف کی درستگی اور صف کی خالی جگہ کو پُر کرنے میں مبالغہ بتانا ہے۔

دیگر شراحِ حدیث نے بھی اس روایت سے صفوں کی درستگی میں مبالغہ ہی مراد لیا ہے، کم وبیش ان ہی الفاظ میں شارحِ بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے (٥) اور علامہ قسطلانی شافعی رحمہ اللہ نے بھی (٦) یہی مراد لیا ہے، محدثِ مشہور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قدم سے قدم ملانے کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے کہ اس میں تیسرا داخل ہو جائے۔ (٧)

---

(١) مسلم: باب تسویة الصفوف واقامتها، حدیث: ٤٣٦

(٢) بخاری: باب إقبال الإمام علي الناس عند تسویة الصفوف، حدیث: ٦٨٧، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا

(٣) بخاری: باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم، حدیث: ٦٩٢

(٤) فتح الباری: باب الزاق المنکب بالمنکب: ٢١١/٢، دار الفکر، بیروت

(٥) عمدة القاری: ٣٦/٤ (٦) ارشاد الساری: ٧٦/٢ (٧) فیض الباری: ٢٣٦/٢

اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ حضرت انس ﷺ اس کے راوی ہیں:

﴿106﴾ "راصّوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالأعناق" صفوں کو خوب ملا کر اور قریب ہو کر کھڑے رہو اور باہم گردنوں کو برابر کرو۔(۱)

﴿107﴾ نیز سنن ابوداؤد ہی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "فرأیتُ الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه و رکبته برکبة صاحبه و کعبه بکعبه" میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے اپنا کندھا، گھٹنے سے گھٹنا، اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔(۲)

ان مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلا کہ صفیں اس طرح درست کی جائیں کہ گردنیں گردنوں سے، گھٹنے گھٹنوں سے، اور ٹخنے ٹخنوں سے ملے ہوئے ہوں؛ حالانکہ اس طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ بیک وقت ان تینوں کو ایک ساتھ ملا کر رکھا جائے؛ اس لئے ان روایات کا مقصود صف بندی میں اہتمام اور مبالغہ کو بتلانا ہے، کہ کوئی آگے پیچھے نہ رہے، اور نہ درمیان میں کشادگی باقی رہے؛ حتی الامکان ایک دوسرے کے قریب ہو کر کھڑے ہوں، ان الفاظ کے حقیقی معانی مراد نہیں لئے جاسکتے؛ لہٰذا ان مجموعی روایات کی روشنی میں صف بندی کی سنت کے مطابق صورت یہی ہوگی کہ سب آپس میں کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوں، کہ درمیان میں خلا نہ رہے اور نہ ہی کوئی صف میں آگے پیچھے نکلا ہوا ہو، تاہم پیروں کو پیروں سے ملانے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اس طرح ایک دوسرے کے قدم تو مل جاتے ہیں؛ لیکن اپنی ٹانگیں چوڑی کرنے کی وجہ سے خود اپنی ٹانگوں کے درمیان غیر ضروری نامناسب خلل پیدا ہوجاتا ہے، خود رسول اللہ ﷺ کی تعلیم "تحسین صلوٰۃ" کے خلاف ہے، پھر اس میں بلاوجہ تکلف کرنا پڑتا ہے، اور رکوع اور سجدے میں بھی دِقّت

---

(۱) ابوداؤد: باب تسویة الصفوف، حدیث: ٦٦٨، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: یہ روای صحیح ہے، اس کو ابوداؤد نے مسلم کی شرط کے مطابق سند سے نقل کیا ہے۔ خلاصة الأحکام، باب الأمر بتسویة الصفوف: ٧٠٨/٢، مؤسسة الرسالة، بیروت

(۲) ابو داؤد: باب تسویة الصوف، حدیث: ٦٦٢، امام ابن الملقن نے فرمایا ہے کہ: اس کو ابوداؤد، بیہقی ابن خزیمة، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو تعلیقا صیغہ جزم کے ساتھ نقل کیا ہے: خلاصة البدر المنیر: باب فروض الوضوء وسننه: ٢٨/١، مکتبة الرشد، الریاض

ہوتی ہے، نیز صفوں کی درستگی کا اہتمام تو صرف نماز کے شروع کرتے وقت مطلوب ہے، اور ٹانگیں چوڑی کر کے قدم سے قدم ملانے کی ضرورت ہر رکعت میں پیش آتی ہے، جو خلافِ سنت ہے۔

دو پیروں کے درمیان کا فاصلہ

جب نماز میں کھڑے ہو تو دو پیروں کے درمیان چار انگل فاصلہ رکھے، یہ مستحب ہے، یہاں یہ چار انگل فاصلہ بطور تحدید کے نہیں ہے؛ بلکہ اصل یہ ہے آدمی بے تکلف و بے تصنع کھڑا رہ سکے، اور چونکہ معمولی ڈیل ڈول والے آدمی کیلئے چار انگل کا فاصلہ کافی ہوتا ہے؛ اس لئے اسے ذکر کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ فاصلہ کے ساتھ بے تکلف کھڑا نہ ہو سکتا ہو اور اسے زیادہ فاصلے کا تقاضا ہو تو بلا کراہت جائز ہے اتنی بات تو احادیث و آثار میں ملتی ہے کہ آدمی اپنی ہیئت طبعی اور اصلی پر کھڑا رہے، تکلف و تصنع سے ہرگز کام نہ لے کہ اس کی وجہ سے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہو، اسی ہیئتِ طبعی کو عام آدمی کے لحاظ سے چار انگل کا فاصلہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿108﴾ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "صفّ القدمین و وضع الید علی الید من السنّة" یعنی پیروں کو ملا کر رکھنا اور دائیں ہاتھ (نماز میں) بائیں پر رکھنا سنت ہے۔(۱)

﴿109﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوعبیدہ تابعیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز میں دونوں پیروں کو ملاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "خالف السنّة ولو راوح لکان افضل" (اس نے سنت کی مخالفت کی اگر یہ مراوحہ کرتا (کہ دونوں کو ملا کر نہ کھڑا ہوتا اور آرام سے بے تکلف کھڑا ہوتا) تو بہتر ہوتا۔(۲)

یہ دونوں روایتیں صحابی کے لفظِ سنت کہنے کی وجہ سے بحکم مرفوع ہیں، ان روایات میں سے ایک میں "صف القدم" یعنی پیروں کے ملانے کو سنت کہا گیا ہے، جو بظاہر تعارض معلوم

(۱) ابوداؤد: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوة، حدیث:۷۵۴، ابن الملقن نے "البدر المنیر: الحدیث الثانی عشر: ۵۱۲/۳، مکتبة دار الھجرة، الریاض" میں اور نووی نے "خلاصة الاحکام: باب وضع الیمین علی الشمال: ۳۵۷/۱" میں اس کی سند کو "جید" قرار دیا ہے۔

(۲) نسائی: باب الصف بین القدمین فی الصلوة، حدیث:۸۹۳، ابوعبدالرحمٰن النسائی کہتے ہیں: ابوعبیدہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے اور یہ حدیث "جید" ہے۔ سنن النسائی الکبری: الصف بین القدمین: حدیث:۹٦۷

ہوتا ہے، مگر حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ؛ کیونکہ پہلی روایت میں ''صف القدم'' سے مراد زیادہ ملانے کی نفی ہے؛ کیونکہ زیادہ ملانے اور زیادہ کشادہ کرنے ہر دو میں تکلف و مشقت ہے؛اس لئے اعتدال کے ساتھ جو صورت بغیر تکلف و تصنع کے حاصل ہو، اسی پر قائم رہنا ہے جو کہ ''مراوحہ'' ہے۔

﴿110﴾ نیز'' مصنف عبدالرزاق''میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ بتایا گیا ہے چنانچہ ابن جُریج ؒ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ''إنّ ابن عمر کان لا یُفرسِخُ ولا یمسّ احداهما الاخریٰ وقال: بین ذلك'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قدموں کو کشادہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے مس کرتے تھے، فرمایا: ان دونوں کی درمیانی شکل ہوتی تھی۔(۱)

﴿111﴾ نیز ابن جُریج ؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عطاؒ سے نماز میں دونوں قدموں کو ملانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ''امّا ھٰکذا حتّٰی تُماس بینھما فلا،ولکن وسطابین ذلك ''اس طرح کے دونوں قدم مس ہوجائیں ایسا نہیں؛لیکن درمیانی صورت ہو۔(۲)

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ قدموں کو معتدل طریقے پر رکھا جائے اور یہ بات عموماً چار انگل یا اس سے کم وبیش سے حاصل ہوجاتی ہے۔

نیت

نماز شروع کرتے وقت دل میں نیت کرے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں ، پھر پوری توجہ وانہماک کے ساتھ یہ دعا پڑھے:

﴿112﴾ ''اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ، اِنَّ صَلٰوتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ، لَا شَرِیۡكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' میں نے اپنا رخ کامل یکسوئی کے ساتھ اس اللہ کی طرف پھیر دیا، جس نے زمین وآسمان پیدا کئے ہیں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے

(۱) مصنف عبدالرزاق : باب التحریك فی الصلوۃ، ۳۳۰۰،اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۲) مصنف عبد الرزاق : باب التحریك فی الصلوۃ، ۳۳۰۰

لئے ہے جو رب العالمین ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اس کا حکم ماننے والوں میں سے ہوں۔(١)

تحریمہ

نیت کرنے کے بعد نماز شروع کرے، اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت وکبریائی کا تصور کرتے ہوئے اور اپنی ذلت و بے چارگی اور تمام ماسویٰ کی بے حقیقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے، اور دل وزبان سے کہے: ''اللہ اکبر'' ''اللہ بہت بڑا ہے، ہر طرح کی کبریائی اور برتری اسی کیلئے ہے'' (تکبیر تحریمہ، اس کی شرعی حیثیت اور اس کے دلائل، نماز کے فرائض کے تحت ملاحظہ ہوں)۔

﴿113﴾ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے؛ یہاں تک کہ انھیں کاندھوں کے برابر کر دیتے'' كان اذا كبّر رفع يديه؛ حتّى يحاذى بهما منكبيه ''(٢)

﴿114﴾ اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں، یہاں تک کہ ہاتھوں کو کان کے اوپری حصے کے مقابل کرتے ''حتّى يحاذى بهما فروع اذنيه'' (٣)

﴿115﴾ ان دونوں روایتوں کے مقابل ایک روایت میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔(٤)

ان تمام روایات کے درمیان تطبیق اور ان پر ایک وقت میں عمل اس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھائے کہ ہتھیلیاں کاندھوں کے برابر ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیاں کانوں کے اوپر والے کناروں کے برابر ہوں۔

---

(١) نسائی: کتاب الافتتاح، باب الدعاء بین التکبیر والقراۃ، حدیث:٨٩٧، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے: اثار السنن: ١٥٢، باب ما یقرأ بین تکبیرۃ الاحرام، مسلم: باب الدعاء فی صلاۃ، حدیث:٧٧١

(٢) مسلم: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، حدیث:٣٩١

(٣) مسلم: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام، حدیث:٣٩١

(٤) نسائی: باب رفع الیدین حذو المنکبین، حدیث:٨٧٨، علامہ بغوی فرماتے ہیں: اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے: شرح السنۃ: باب رفع الیدین عند تکبیر الافتتاح: ٢٠/٣، المکتب الإسلامی، دمشق

چنانچہ امام شافعیؒ نے بھی کندھوں اور کانوں والی تمام روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح کندھوں کے مقابل کیا جائے کہ انگلیوں کے پوروے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رہیں۔(۱)

﴿116﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس صورت کی وضاحت کرتی ہے: "عن وائل بن حجر" أنّه أبصر النبیّ حين قام الى الصلوة رفع يديه ،حتّى كانت بحيال منكبيه، وحاذىٰ بابهاميه أذنيه ثمّ كبّر" حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے، اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کیا، پھر تکبیر کہی۔(۲)

ہاں البتہ عذر کی حالت میں کندھوں تک اٹھائے جاسکتے ہیں، کاندھوں تک اٹھانے سے متعلق روایات اسی حالتِ عذر کے ساتھ خاص ہیں، جس کی وضاحت ذیل کی روایت میں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سردیوں کے موسم میں چادریں اوڑھے ہوتے تھے اور اس حالت میں چادر میں سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا مشکل اور دشوار ہوتا ہے؛ اس لئے وہ صرف سینوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

﴿117﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا، پھر جب میں دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز شروع کرتے وقت ہاتھوں کو سینوں تک اٹھا رہے ہیں، اور ان کے بدن پر جبّے اور چادریں ہیں: "ثمّ أتيتُهم فرأيتُهم يرفعون أيديهم الى صدورهم فی افتتاح الصلوة وعليهم برانس وأكيسة "(۳)

ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیوں کو کھلی اور کشادہ نیز ہتھیلی کو قبلہ رخ رکھیں۔

﴿118﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے تکبیر کہتے

---

(۱) شرحِ مسلم :۱/۱۶۸

(۲) ابوداؤد: باب رفع اليدين فی الصلوة، حدیث:۷۲۴، اعلاء السنن "۲/۱۸۲" میں ہے: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے، چونکہ عبدالجبار نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے، لیکن اس کا انقطاع ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے، اس لئے کہ ہم نے اس روایت سے محض جمع وتطبیق کا کام لیا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب رفع اليدين فی الصلوة ،حدیث:۷۲۸، علامہ نیموی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

تھے تو انگلیوں کو کشادہ اور کھلی رکھتے تھے" اذا کبّر للصلاۃ نشر أصابعه " (۱)

﴿119﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو ہتھیلیوں کو قبلہ رخ رکھے "فلیر فع یدیه ویستقبل بباطنهما القبلة " کیونکہ اللہ کی خصوصی عنایت اس کے آگے ہوتی ہے۔(۲)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوکر دائیں ہاتھ سے بائیں پہونچے کو پکڑ کر ناف سے ذرا نیچے رکھ لیں، ہاتھ باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ: دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے حلقہ بنا کر بائیں پہونچے کو پکڑ لیں اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر پھیلی چھوڑ دیں۔

﴿120﴾ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں "کان النّاس یؤمرون أن یضع الرجل یده الیمنیٰ علیٰ ذراعه الیسریٰ فی الصلاۃ "(۳)

﴿121﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تو ہاتھوں کو بلند کیا اور تکبیر کہی، پھر چادر لپیٹ لی اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت اور پہونچے وکلائی پر رکھا: " ثمّ وضع یده الیمنیٰ علیٰ ظهر کفّه الیسری والرسغ و الساعد" (۴)

﴿122﴾ حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف

---

(۱) ترمذی: باب نشر الاصابع عند التکبیر، حدیث: ۲۳۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) رواه الطبرانی فی الاوسط: باب من اسمه محمود، حدیث: ۷۸۰۱، تحقیق: طارق بن عوض اللہ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس میں عمیر بن عمران ایک راوی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۳) بخاری: باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ، حدیث: ۷۰۷

(۴) نسائی: باب موضع الیمیین من الشمال فی الصلاۃ، حدیث: ۸۸۹، علامہ نیموی نے کہا ہے: اس کو احمد نسائی، ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۳۹، باب وضع الیمنی علی الیسری، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے وائل بن حجر کی روایت سے نقل کیا ہے، اور ابن حبان اس کو صحیح قرار دیا ہے: خلاصة البدر المنیر، حدیث: ۳۶۵، مکتبة الرشد ، الریاض

کے نیچے رکھے ہوئے ہیں: "رأیت النبی یضع یمینه علیٰ شماله تحت السّرة" (۱)

اس حدیث کی سند قوی اور مضبوط ہے؛ کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، چنانچہ علامہ نیمویؒ نے ''تعلیق الحسن'' میں اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے ''تحفہ الاحوذی'' شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ قاسم بن قطلو بغا نے ''تخریج احادیث الاختیار شرح المختار'' میں فرمایا کہ ''یہ سند جید ہے'' علامہ ابوالطیب المدنی نے ''شرحِ ترمذی'' میں کہا ہے ''یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے'' محقق عابد سندی نے ''طالع الانوار'' میں لکھا ہے ''اس کے رجال ثقہ ہیں''۔ (۲)

﴿123﴾ ابوجحیفہؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: "من السنّة وضع الکفّ علی الکفّ تحت السرّة "ہاتھ کو ہاتھ پر (رکھ کر) ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔ (۳)

﴿124﴾ حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے ابومجلز سے سنا یا پوچھا کہتے ہیں: میں نے کہا: میں ہاتھ کیسے رکھوں؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ کے اندرونی حصہ کو بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر رکھو اور ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھ لو "ویجعلهما أسفل من السرّة" (۴)

﴿125﴾ حضرت ابووائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے "أخذ الأکفّ علی الأکفِ فی الصلاة تحت السرّة" (۵) ...... اس لئے یہ روایات باعتبار سند کے درجہ حسن سے کم نہیں۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: وضع الیمین علی الشمال، حدیث:۳۹۵۹، مع تعلیقات: الشیخ عوّامه الحلبی

(۲) تحفة الاحوذی: ۷۵/۲، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال، التعلیق الحسن:۱۴۸

(۳) مسند احمد بن حنبل:۸۷۵، مع تحقیق شعیب الارناؤط، اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے تاہم احادیثِ صحیحہ سے مؤید ہے۔ ابوداؤد: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة، حدیث:۷۵۶

(۴) مصنف ابن ابی شیبة: کتاب الصلاة، باب وضع الیمین علی الشمال، علامہ نیموی فرماتے ہیں: ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن:۱۴۹، باب فی وضع الیدین تحت السرة

(۵) ابوداؤد: باب وضع الیمنی علی الیسری، حدیث:۷۵۸، اوپر کی دونوں روایتوں کے ایک راوی ''عبدالرحمٰن اسحٰق کوفیؒ''، جنھیں احمد بن حنبلؒ ضعیف قرار دے رہے ہیں؛ لیکن بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی بھی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' میں فرمایا کہ: بعض اہل علم نے حافظہ کی وجہ سے عبدالرحمٰن کی تضعیف کی ہے، چنانچہ انھوں نے "باب ماجاء فی سوق الجنة" کے تحت ان کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے اور اس کی تحسین فرمائی ہے (ترمذی: حدیث: ۲۵۵) علامہ عجلی فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی، ضعیف ہیں، جائز الحدیث ہیں، ان کی احادیث نقل کے قابل ہیں، حدیث حسن درجے کی ہے (اعلاء السنن:۱۹۳/۲)۔

﴿126﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: تین چیزیں اخلاق نبوی میں سے ہیں: افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا "وضع الیمنی علی الیسری تحت السرّۃ "(۱)

﴿127﴾ مشہور فقیہ و محدث ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ: نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے: "یضع یمینه علی شماله تحت السرّۃ "(۲)

نوٹ: ناف کے نیچے یا ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مرفوع روایتیں درجۂ دوم وسوم کی ہیں، اور ان میں اکثر کمزور ہیں، البتہ نیچے ہاتھ باندھنے کی روایتیں سینے وغیرہ پر باندھنے کی روایتوں سے اصولِ محدثین وفقہاء کے لحاظ سے قوی اور راجح ہیں۔

چنانچہ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس باب میں یعنی سینے پر نماز کی حالت میں ہاتھ رکھنے کے مسئلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں۔(۳) البتہ ہاتھ باندھنے کا مقصود اللہ کی تعظیم واجلال ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تعظیم کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے؛ اس لئے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل معلوم ہوتا ہے۔

ثنا

پھر اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر یقین کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس کے حضور میں کھڑا ہوا تصور کر کے اولاً ثنا پڑھے اور یہ خیال کرے اللہ عزوجل اپنی خاص کریمانہ شان کے ساتھ متوجہ ہے اور سن رہا ہے۔

﴿128﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰـهَ غَيْرُكَ" اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں، اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے،

---

(۱) الجوهر النقی:۳۲/۲،دار الکتب العلمیة ، بیروت، المحلی بالآثار :۳۰/۳،دارالفکر بیروت

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: وضع الیمین علی الشمال :۳۹۶۰،علامہ نیموی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن درجہ کی ہے: اثار السنن:۱۵۰،باب فی وضع الیدین تحت السرّۃ

(۳) اثار السنن:۱۴۵

اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے، اور تو ہی معبودِ برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔(۱)

﴿129﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر کر لیتے، پھر مذکورہ بالا الفاظ میں ''ثناء'' کہتے ہیں۔(۲)

﴿130﴾ حضرت عبدہ بن لبابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ کلمات ثناء کو زور سے پڑھتے تھے (دوران نماز تعلیم کی غرض سے)۔(۳)

﴿131﴾ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بیان کیا، جس کی میں تصدیق کرتا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ یہ اصحاب رضی اللہ عنہم جب نماز شروع کرتے تو کہتے: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ ...... الخ (۴)

مذکورہ احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ''ثناء'' پڑھنا افضل و مسنون ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہی پڑھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی تعلیم فرماتے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

---

(۱) سنن نسائی: نوع اخر بین افتتاح الصلوۃ وبین القرأۃ، حدیث:۹۰۰، ابن خزیمہ کہتے ہیں: ''ثناء کے سلسلے میں اہل علم کے یہاں مضبوط اور سند کے اعتبار سے بہتر حدیث ابوسعید خدری صکی اس روایت سے زیادہ کوئی نہیں ہے (التلخیص الحبیر: باب صفۃ الصلاۃ :۱/۵۵۹) امام ترمذی فرماتے ہیں: اس بارے میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت جبیر بن مطعم، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایتیں منقول ہیں، پھر فرماتے ہیں: ابوسعید کی روایت اس باب میں مشہور ومعروف ہے۔ اس روایت کے ایک راوی علی بن علی الرفاعی کے بارے میں یحییٰ بن قطان نے کلام کیا ہے؛ لیکن اکثر حضرات نے ان کی توثیق کی ہے اس لئے شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں، چونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جن میں امام وکیع بن الجراح، ابن معین، ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی، ابوداؤد شامل ہیں (ارواء الغلیل :۲/۵۲-۵۱)

(۲) مجمع الزوائد: باب ما یفتتح بہ الصلاۃ، حدیث:۲۶۲۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مسلم: باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، حدیث:۳۹۹ یہ روایت گرچہ منقطع ہے، لیکن طحاوی نے اسے چھ طرق سے روایت کیا ہے جن کے بارے میں علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تمام کے تمام چھ طرق موقوف صحیح ہیں اور اس کے رجال ثقہ ہیں (نخب الافکار :۲/۴۱۵)

(۴) ابوداؤد: باب من رأی الاستفتاح بسبحانک اللھم، حدیث:۷۷۶، مجمع الزوائد: باب ما یفتتح بہ الصلاۃ :۲۶۱۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک نامعلوم شخص ہے۔

کا بھی یہی پڑھنے کا معمول تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطورِ تعلیم کے ایک دفعہ بلند آواز سے دورانِ نماز یہ کلمات پڑھے؛ اس لئے احادیث میں ذکر کی گئی افتتاحِ نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی دعا راجح اور افضل ہے اگرچہ دوسری ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے، مثلاً وہ دعا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درجِ ذیل روایت میں ہے۔

﴿132﴾ "اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِىْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ" اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کردے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق ومغرب کے درمیان کردیا ہے اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک صاف کردے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کردیا جاتا ہے، اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے دھوڈال۔(۱)

تعوذ وتسمیہ

اگر امامت کررہے ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں تو ''ثناء'' سے فارغ ہوکر آہستہ آواز میں ''اعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' پڑھیں، اور یہ خیال کریں کہ شیطان ہمارے دین خاص طور سے ہماری نماز کا سخت دشمن ہے، وہ اس میں خرابی ڈالنے کی ضرور کوشش کرے گا، اور اللہ عزوجل ہی اس کے شر سے میری حفاظت کرسکتا ہے، اپنے کو اس کے شر سے بچاؤ کیلئے عاجز سمجھ کر اللہ سے پناہ مانگے۔

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ جب تو قرآن پڑھے تو (پہلے) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر شیطان مردود سے۔(۲)

﴿133﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز "الحمد للہ رب العالمین" سے شروع کرتے "كانوا يفتتحون الصلاة بالحمد لله ربّ العالمين" (۳)

(۱) بخاری : باب ما يقول بعد التكبير ،حدیث:۷۱۱،مسلم : باب ما يقال بين تكبيرة الاحرام والقراة،حدیث:۵۹۸ (۲) النحل : ۹۸

(۳) بخاری: باب مايقول بعد التكبير ،حدیث:۷۴۳،مسلم: باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، حدیث:۳۹۹

﴿134﴾ مسلم کی روایت میں ان الفاظ کی زیادتی ہے ''یہ قرأت کے شروع میں اور نہ ہی قرأت کے اخیر میں بسم اللہ پڑھتے تھے''۔

﴿135﴾ وفی روایةِ عندالنسائی '' فکانو لا یجهرون بسم اللّٰه الرحمن الرحیم'' نسائی کی روایت میں ہے یہ حضرات نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔(۱)

﴿136﴾ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں ''بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا: بیٹا! یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان کے نزدیک بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ مبغوض کوئی چیز رہی ہو، اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے؛ لیکن ان میں سے کسی کو بھی ''بسم اللہ'' کہتے ہوئے نہیں سنا؛ لہٰذا جب تم نماز پڑھو تو کہو: الحمد للّٰه رب العلمین''۔''فلم اسمع احدًا منهم یقولها فلا تقلها اذا أنت صلّیتَ فقل الحمد للّٰه رب العالمین '' (۲)

﴿137﴾ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) مسند احمد: حدیث:۱۲۸۶۸، اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں: نسائی اور دیگر لوگوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: آثار السنن: باب التعوذ وقراءة بسم اللّٰه: ۱۵۵، صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی نے صحیح حدیث کی شرائط کے موافق یہ روایت نقل کی ہے: عون المعبود: باب من لمیر الجهر ببسم اللّٰه: ۳۴۵/۲، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) ترمذی: باب ترک الجهر باسم اللّٰه الرحمن الرحیم، حدیث: ۲۴۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، پھر فرماتے ہیں: اکثر اہل علم، اصحاب نبی: ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا اسی پر عمل رہا ہے، سفیان ثوری رحمہ اللہ، ابن مبارک رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل رہے ہیں کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ کہا جائے۔

(۳) اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی سعید بقال ہیں، یہ ثقہ اور مدلس ہیں، ایک دوسری روایت میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے، اس طرح ان سے تدلیس کی تہمت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا ہے (اعلاء السنن: ۲۱۲/۲)

﴿138﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے، اور اسے دیہاتیوں کا عمل قرار دیتے تھے۔(۱)

﴿139﴾ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: یہ لوگ (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم) نماز میں تعوذ اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے:" کانوا یسرّون التعوذ والبسملة " تابعین میں حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت امام وکیعؒ، سفیان ثوریؒ بھی اس کو ناپسند کرتے تھے۔(۲)

نوٹ: بسم اللہ، کو جہر سے (بلند آواز) میں پڑھنے کے بارے میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ زیادہ تر ضعیف اور غیر مقبول ہیں، پھر بھی بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے والوں پر نکیر بھی مناسب نہیں ہے، خطیبِ بغدادی اور امام دارِقطنی نے بسم اللہ کے جہر کے سلسلہ میں متعدد روایات جمع کی ہیں؛ لیکن حافظ زیلعی نے نصب الرایۃ میں ان میں سے ایک ایک پر تبصرہ کر کے انھیں ضعیف یا موضوع ثابت کیا ہے، چنانچہ حافظ زیلعی نے (۳) اور علامہ ابنِ تیمیہ نے (۴) میں نقل کیا ہے کہ جب امام دارِقطنی نے جہر بسم اللہ کی روایات جمع کیں اور ایک مستقل رسالہ اس بارے میں لکھا تو بعض مالکیہ ان کے پاس آئے اور ان سے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں صحیح حدیث بھی ہیں یا نہیں؟ تو امام دارِقطنی نے جواب دیا: "کل ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجهر فلیس بصحیح، وأما عن الصحابه فمنهم صحیح و ضعیف" اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایت کونسی بھی صحیح نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار تو کچھ صحیح ہیں، کچھ ضعیف۔

قرأت

تعوذ وتسمیہ کے بعد فرض کی پہلی دو رکعتوں اور بقیہ نمازوں کی کل رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا کم از کم تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت پڑھے۔

نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت کو ٹھہر ٹھہر کر اس تصور کے ساتھ پڑھے کہ

---

(۱) اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے (اثار السنن: باب التعوذ وقرأة بسم اللّٰه:۱۵۵)

(۲) اس کو سعید بن منصورؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (اثار السنن: باب التعوذ وقرأة بسم اللّٰه:۱۵۳)

(۳) نصب الرایة: اقوال العلماء فی البسملة:۱/۲۶۵ (۴) فتاویٰ ابنِ تیمیہ :۲۷

اللہ تعالیٰ میری قرأت سن رہے ہیں، اور حدیثِ ذیل کے مطابق اس کا جواب دے رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اللہ کی طرف سے بیان کیا ہے۔

﴿140﴾ بندہ جب نماز میں کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ" (میرے بندے نے میری حمد کی) پھر جب کہتا ہے: "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" (جو بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ" (میرے بندے نے میری صفت بیان کی) پھر جب کہتا ہے: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (جو یومِ جزاء کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ" (میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب کہتا ہے: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هٰذَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ، وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ" میرے بندے نے اپنے لئے مجھ سے ہدایت مانگی اور میرے بندے کی یہ مانگ پوری کی جائے گی۔(۱)

اس کے بعد جو سورت پڑھنی ہو پڑھے، اور خیال کرے کہ سورۂ فاتحہ میں جو میں نے دعا کی ہے، اللہ کی طرف سے یہ اس کا جواب ہے، اور میرے لئے میری مطلوبہ ہدایت کا سامان ہے؛ چونکہ سارا قرآن ہدایت سے معمور ہے یا تو اللہ کی توحید ہے، یا اس کی تسبیح وتقدیس یا اس کی صفات عالیہ کا بیان، یا قیامت وآخرت کا ذکر، یا گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات یا عبادات اور معاملات ومعاشرت کے اچھے اصولوں کی تلقین، اپنے آپ کو مثل شجرِ موسیٰ کے تصور کرے (جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادئ طویٰ میں حق تعالیٰ کا کلام سنا تھا) یعنی یہ تصور کر کے مجھے اللہ عز وجل کے حقیقی وازلی مقدس کلام کو زبان سے ادا کرنا اور دہرانا نصیب ہو رہا ہے۔

نوٹ: سورۂ فاتحہ کو خاص کئے بغیر صرف قرأت کے فرض ہونے سے متعلق دلائل (نماز کے فرائض) کے تحت ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) مسلم: باب وجوب القراءۃ، حدیث:۳۹۵، ابوداؤد: باب من ترك القرأة فی صلاته بفاتحة الكتاب، حدیث:۸۲۱، امام مسلم نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے اور امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن درجہ کی قرار دیا ہے۔

اگر امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہوں تو ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائیں، خود قرأت نہ کریں؛ بلکہ امام کی قرأت خاموشی کے ساتھ دھیان لگا کر سنیں۔

” وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَـهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ“(۱)

”جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے“

امام احمد بن حنبلؒ، امام التفسیر محمد بن حسن النقاشؒ، امام جصّاص رازیؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ ائمہ حدیث وتفسیر وفقہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ”وقول الجمهور هو الصحيح ؛ فإنّ اللّٰه سبحانه وتعالٰى قال: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَـهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ قال احمد: اجمع النّاس علٰى انّها نزلت فى الصلوة “(۲) اور اس بارے میں جمہور کا قول ہی صحیح ہے ؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے“ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ لوگوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے اس پر کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

مزید یہ کہ اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا، استماع اور انصات۔ استماع (غور سے سننا) یہ جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہے: کیونکہ سننا اسی وقت ہوگا جب کہ کوئی شئی مسموع (سنی جانے والی چیز ہو) اور انصات (خاموشی) یہ جہری وسری دونوں کو عام ہے: کیونکہ انصات کے معنی خاموش رہنے کے ہیں، اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ مقتدی کو سری و جہری دونوں نمازوں میں خاموشی کا حکم ہے؛ البتہ جہری میں خاموشی کے ساتھ ساتھ کان لگا کر سننا بھی ہے۔

﴿141﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا: اور ہمارے واسطے دینی طریقے کو بیان فرمایا، اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں فرمایا: جب نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کرو، پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرے” فإذا كبّر فكبّروا، وإذا قرأ فانصتوا، وإذا قال: ”غير المغضوب عليهم ولا الضالين “فقولوا: اٰمين“ وہ جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور وہ جب قرأت کرے تو

(۱) الاعراف: ۲۰۴ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۱۲/۲

تم خاموش رہو، اور جب وہ "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہے تو آمین کہو۔(۱)

وضاحت: اس حدیث کے الفاظ واسلوب پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ روایت باجماعت نماز میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہے، جو ارشادِ نبوی کے مطابق صرف امام کی ذمہ داری ہے چونکہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں: جب امام پڑھنے لگے تو خاموش ہو جاؤ؛ یہاں ایک طرف امام کو پڑھنے والا اور دوسرے مقتدی کو خاموش رہنے والا قرار دیا گیا ہے پھر آگے فرمایا: جب وہ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" تک پہنچے تو تم آمین کہو (یہاں بھی امام اور مقتدی کی ذمہ داری الگ الگ ہے) اب ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اور "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" تک جو کچھ پڑھا گیا یہ سورۃ فاتحہ ہی تو ہے؛ گویا حدیث میں مقتدی کے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تصریح وتعین بھی موجود ہے۔ مزید برآں اس حدیث میں "اذا کبّر فکبّروا" (جب امام تکبیر کہے تو مقتدی تکبیر کہیں) یہ تکبیر بلند آواز سے نہیں آہستہ ہی پڑھیں گے، پھر آگے قرأت میں مقتدی کو صرف بلند آواز سے پڑھنا منع ہوتا تو یوں کہا جاتا "إذا قرأ فاقرؤا" (جب امام قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو) لیکن آپ ﷺ نے یہاں انصات (خاموش رہنے) کا لفظ استعمال فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ قرأت جہراً (بلند آواز) اور سرّاً (آہستہ) دونوں طرح منع ہے۔

﴿142﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "إنّما جُعل الإمام ليؤتم به، فاذا كبّر فكبّروا، وإذا قرأ فانصتوا" امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو اس کے بعد تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔(۲)

﴿143﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جہری نماز سے

---

(۱) مسلم: باب التشھد فی الصلوۃ، حدیث: ۴۰۴، حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) نسائی: تاویل قول اللہ عزوجل: "واذا قرئ القرآن" حدیث: ۹۲۲، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس روایت کو ترمذی کے علاوہ پانچوں نے ذکر کیا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے (اثار السنن: ۱۷۵، باب فی ترک القرأۃ خلف الامام فی الجھریۃ)

فارغ ہوکر فرمایا کہ ”هَـلُ قـرأ مـعـی اَحـدمـنكم انفَا“ کیا اس وقت تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے: جی ہاں میں نے یا رسول اللہ ﷺ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبھی تو میں جی میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرأت میں ٹکراؤ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کے بعد جہری نمازوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت ترک کردی: ”أقـول مالی انازعنی القرآن فانتهی الناس عن القرأة مع رسول اللّٰه “(۱)

﴿144﴾ ابوالاحوص حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خلطتم علیّ القرأة“ تم نے میری قرأت میں خلل ڈال دیا۔(۲)

﴿145﴾ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من کان لـه إمـام فـقـرأة الإمام له قرأة “ جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (یعنی مقتدیوں کو الگ سے قرأت کی ضرورت نہیں)۔(۳)

﴿146﴾ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”لا قرأة مع الامام فی شیئ“ امام کی اقتداء میں کچھ بھی قرأت نہ کی جائے۔(۴)

﴿147﴾ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی اور اس میں

---

(۱) مؤطا مالك: باب ترك القرأة خلف الامام فيما جهر فيه، حدیث:۲۸۶،مع تحقیق: محمد مـصـطفی الاعظمی، ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اسے ”حسن “ کہا ہے (ترمذی: باب ما جاء فی ترك القرأة خلف الامام اذا جهر الامام ،حدیث:۳۱۲) حافظ مغلطائی کہتے ہیں کہ ترمذی نے اسے ”حدیث حسن“ کہا ہے، اور بعض نسخوں میں ”صحیح“ کا لفظ بھی ہے۔(اعلام المغلطائی قلمی:۸۶/۴)

(۲) شرح معانی الاثار: باب القرأة خلف الامام، حدیث:۱۱۹۱، مجمع الزوائد: باب القرأة فی الـصـلاة ،حدیث نمبر:۲۶۴۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابویعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں، جوھر النقی میں ہے: اس کی سند جید ہے۔(الجوهر النقی:۱۶۲/۲)

(۳) مسـنـد احـمـد: مسند جابر بن عبدالله، ۱۴۶۸۴، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس روایت کو حافظ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں اور محمد بن الحسن نے مؤطا میں اور طحاوی و دارقطنی نے ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن :۱۷۷، بـاب فـی الـقـرأة خلف الامام فی الصلوات کلّها)، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: گرچہ جابر جعفی کی وجہ سے یہ روایت مجروح ہے، لیکن اس کی دیگر سندیں ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں اور اس ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں۔(نصب الرایة : فصل فی القرأة :۱۰/۲)

(۴) مسلم: باب سجود التلاوة ،حدیث:۵۷۷

سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ "من صلى ركعةً لم يقرأ فيها بأمّ القراٰن فلم يصل إلاّ وراء الإمام".(۱)

﴿148﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جائے تو فرماتے: "إذا صلّى أحدكم خلف الإمام فحسبه قرأة الإمام، وإذا صلّى وحده فليقرأ" جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کیلئے امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو خود قرأت کرے۔(۲)

﴿149﴾ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔(۳)

﴿150﴾ عبیداللہ بن مقسم سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "لا يقرأ خلف الامام فى شيئ من الصلوات" (۴)

﴿151﴾ حضرت علقمہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "ليت الذى يقرأ خلف الامام ملئ فاه بالتراب" جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جاتا۔(۵)

﴿152﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سب سے پہلی بدعت امام کے پیچھے قرأت کی ایجاد ہوئی "اول ما احدثوا القرأة خلف الامام" حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔(۶)

---

(۱) ترمذی: باب ترك القرأة خلف الامام اذا جهر الامام، حدیث:۳۱۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔(موطا مالك : باب ما جاء فى ام القراٰن، حدیث:۲۷۶)

(۲) موطا مالك: باب ترك القرأة خلف الامام فيما جهر فيه، حدیث:۲۸۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے امام مالک نے "مؤطا" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۱۷۹، باب فى ترك القرأة)

(۳) مؤطامالك: باب ترك القرأة فيما جهر فيه، حدیث:۲۸۴

(۴) شرح معانى الاثار: كتاب الصلاة، باب القرأة خلف الامام، حدیث:۱۲۱۱، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

(۵) شرح معانى الاثار: كتاب الصلاة، باب القرأة خلف الامام، حدیث:۱۲۰۹، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے (اثار السنن:۱۸۱، باب القرأة خلف الإمام)

(۶) مصنف ابن ابى شيبة: باب اول ما فعل ومن فعله، ۳۵۸۶۳، مطبوعة: مكتبه الرشيد الرياض، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ "اعلاء السنن" میں فرماتے ہیں: اس روایت کی سند یوں ہے، حدثنا الاحمر عن الاعمش عن إبراهيم.

﴿153﴾ حضرت اسودؒ کہتے ہیں: میں یہ چاہتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔(۱)

أن رسول الله ﷺ و أبابكر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم كانوا ينهون عن القرأة خلف الامام " رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم یہ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے"۔(۲)

﴿154﴾ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ نہ پڑھے: "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصا عدًا" سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کا یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو: "قال سفيان : لمن يُصلّى وحده"(۳)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اس کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت نہ کرے "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحه الكتاب" کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، قال احمد بن حنبل: "معنى قول النبى ﷺ :"لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " إذا كان وحده" (۴)

حدیثِ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی وضاحت:

اگر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس روایت "لا صلٰوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" (۵) "جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی" کی وجہ سے کسی کو یہ

(۱) مصنف عبد الرزاق: باب القرأة خلف الإمام، حدیث:۲۸۰۸ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے رجال جماعت کے رجال ہیں۔(اعلاء السنن:۱۰۱/۴)

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب القرائة خلف الإمام، حدیث:۲۸۱۰، صاحبِ اعلاء السنن نے لکھا ہے کہ یہ مرسل صحیح ہے، اور موسیٰ بن عقبہ صاحبِ مغازی ہیں، اور ان سے عبدالرزاق کا لقاء ممکن ہے۔(اعلاء السنن:۸۶/۴)

(۳) ابوداؤد: باب من ترك القرأة فى صلوته، حدیث:۸۲۲، ابوداؤد نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) ترمذی: ترك القرأة خلف الامام اذا جهر الامام، حدیث:۳۱۲

(۵) مسلم: باب قرأة الفاتحة فى كل ركعة، حدیث:۳۹۴

اصرار ہے کہ قرأتِ فاتحہ کا حکم امام ومقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے عام ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو ان ہی کی مسلم کی روایت میں یہ جو اضافہ ہے ”لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا“ (۱) ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے فاتحہ اور اس پر مزید قرأت نہ کی ہو“ کے مطابق امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ بھی لازم کرنا چاہیے، جبکہ یہ حضرات مقتدی کیلئے فاتحہ کے علاوہ اگلی سورۃ کی اجازت نہیں دیتے؛ حالانکہ یہ دوسری حدیث بھی وہی ہے اور راوی بھی وہی ہیں اور الفاظ واسلوب و انداز بھی وہی ہے، معلوم یہ ہوا کہ یہ حدیث اصل میں مقتدی کیلئے نہیں؛ بلکہ امام یا منفرد کیلئے ہے۔

مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے حوالہ سے ایک دوسری روایت، بیہقی وابوداؤد کے حوالے سے جو ذکر کی جاتی ہے کہ جس میں ایک تابعی ”نافع بن محمود بن ربیع“ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ روزانہ نماز میں شرکت کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک روز عبادہ فجر کی جماعت میں دیر سے آئے، اس وقت ابونعیم امامت کر رہے تھے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے فاتحہ پڑھنے لگے، نماز سے فراغت کے بعد ان تابعی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابوالولید! کیا بات ہوگئی کہ آپ امام کے ساتھ پڑھ رہے تھے، یہ آپ نے جان بوجھ کر کر رہے تھے یا بھولے سے؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے اس طرح عمداً کیا، پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی جہری نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران قرآت کچھ چوک ہوگئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم لوگ میرے ساتھ پڑھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا تفعلوا إلا بأمّ القراٰن“ ایسا نہ کرو، سوائے سورہ فاتحہ کے؛ چونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (۲)

اس حدیث سے امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کے واجب ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو چند وجوہات سے درست نہیں:

۱) اولاً اس عربی جملہ میں پہلے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ”قرأۃ خلف الامام“ سے مکمل طور پر روکا گیا، پھر اس سے سورہ فاتحہ کا استثناء کیا گیا، استثناء من النہی مفید اِباحت

---

(۱) مسلم: باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، حدیث نمبر: ۳۹۴

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب من قال: یقرأ خلف الأمام فیما یجھر، حدیث: ۲۷۴۴

ہوتی ہے (کسی ممنوعہ چیز سے اس کے بعض حصے کو مستثنیٰ کردہ چیز اصولیین کے مطابق مباح یعنی جائز ہوتی ہے) اس لئے اس سے مقتدی کیلئے صرف سورہ فاتحہ کا مباح ہونا ثابت ہوا۔ یہ بات اس طرح بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں ان تابعیؒ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بطور تعجب دریافت فرمایا کہ: آپ امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے یہ عمل عمداً کیا ہے یا سہواً؟ ان تابعی کے یہ دریافت کرنے سے یہ پتہ چلا کہ انہوں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کے سوال کے جواب میں محض اپنے عمل کی دلیل پیش کی، ان تابعی کو اس نماز اور دیگر بغیر فاتحہ کے پڑھی گئی نمازوں کے لوٹانے کا حکم نہیں دیا؛ حالانکہ واجب کے ترک پر خاموشی اختیار کرنا ایک صحابی کے شایانِ شان نہیں، اس سے پتہ چلا کہ امام کے پیچھے قرأت محض مباح ہے۔

۲) مزید نافع کے (جو کہ حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے معاصرین میں سے ہیں، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر تعجب کے اظہار سے یہ پتہ چلا کہ انہوں نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل نہیں دیکھا تھا؛ بلکہ عادتِ عام اس حوالے سے یہ تھی کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔

۳) اور یہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مباح ہے، یہ امام کے سکتوں یعنی خاموشی کے درمیان (اگر سکتوں کی رعایت کے ساتھ قرأت ممکن ہو) ورنہ قرآنی آیت "اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا" کے تحت خاموش رہنا ہی بہتر ہوگا، اور اس کی وجہ سے امام کی قرأت میں خلل اور رکاوٹ بھی نہ ہوگی جو کہ مذکورہ بالا روایات کے تحت منع ہے۔

۴) یا یہ حکم محض امام کی قرأت پر تدبر اور غور وفکر کی حد تک مقید ہے، جیسا کہ بعض روایات میں "اقرأ بها فی نفسك" (۱) کے الفاظ آتے ہیں (چونکہ اس حدیث کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ بیان کیا کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے، تو ایک صاحب نے ان سے عرض کیا: کیا ہم امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھیں؟ انہوں نے فرمایا: اپنے دل میں پڑھو، وہ صاحب اتنا تو جانتے ہی تھے کہ امام کے پیچھے آہستہ ہی پڑھا جاتا ہے، زور سے نہیں، آپ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کے مطابق ہم امام کے پیچھے پڑھیں یا نہ

---

(۱) مسلم: باب وجوب قرأة الفاتحه فی کل رکعة، حدیث نمبر: ۳۹۵

پڑھیں؟ اس کے جواب میں آپ نے کہا: ''زبان سے نہ پڑھو، نہ آہستہ، بلکہ جی جی میں پڑھ لو، چونکہ قرأت کے معنی سمجھنے کے بھی آتے ہیں''۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا، اگر یہ شخص کتاب میں نظر کرے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے سمجھ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائی گی۔

۵) یا یہ کہ امام کے پیچھے قرأت کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، پھر جب آیت ''إذا قرئ القرآن'' نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ سے منع کیا گیا۔

۶) یا یہ عمل محض سکتات یا محض تدبر و تفکر کی حد تک محدود رہا۔

۷) چونکہ یہ قرأت فاتحہ خلف الامام کا عمل تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہوتا تو احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے سوالیہ الفاظ ''انّی أراکم تقرأون وراء امامکم'' (میں تمہیں اپنے امام کے پیچھے پڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں) ''لعلّکم تقرأون؟'' (شاید کہ تم پڑھ رہے ہو) ''ھل تقرأون؟'' (کیا تم امام کے پیچھے پڑھ رہے ہو) کا کیا مطلب؟۔

عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جب آدمی کسی کو اپنا ترجمان اور نمائندہ بناتا ہے تو خود بولنے کے بجائے خاموش رہتا ہے اور اس کا ترجمان ہی گفتگو کرتا ہے، امام کی حیثیت جماعت کی طرف سے ترجمان اور نمائندہ کی ہے؛ اس لئے مقتدی خاموش ہی رہے۔

آمین آہستہ کہنا

جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے وقت ''ولا الضالین'' پر پہنچے تو امام اور مقتدی آہستہ سے ''امین'' کہیں۔

﴿155﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام جب ''غیر المغضوب علیهم ولا الضّالین'' کہے تو تم سب آمین کہو ''إذا قال الإمام: غیر المغضوب علیهم ولا الضّالین، فقولوا: آمین'' کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے امین کہنے سے موافق ہو جائے گا، اس کے اگلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔(۲)

---

(۱) تاج العروس: ۲۱۹/۱ (۲) بخاری: باب جهر المأموم بالتامین، حدیث: ۷۴۹

وضاحت: اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا؛ کیونکہ اگر وہ بلند آواز سے آمین کہتا تو نبیٔ رحمت ﷺ مقتدیوں کے امین کہنے کو امام کے "ولا الضالین" کہنے کے ساتھ نہ جوڑتے۔

﴿156﴾ نسائی کی روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں مذکورہ بالا روایت سے مزید اضافہ ہے کہ فإنّ الملائکة تقول: اٰمین، وإنّ الإمام یقول: اٰمین، فمن وافق تأمینه تأمین الملائکة غُفرله ماتقدّم من ذنبه کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے، پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔(۱)

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ فرشتے بھی امین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے فرشتے اور امام آمین زور سے نہیں کہتے، کیونکہ اگر فرشتے اور امام آمین زور سے کہتے تو لوگ ان کی آواز خود ہی سن لیتے، حضور اکرم ﷺ کے یہ بتلانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ فرشتے اور امام بھی آمین کہتے ہیں۔

جس روایت میں "اذا أمّن الامام فأمنّوا"(۲) کے الفاظ ہیں، اس طرح سے ان دونوں روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہ بات فتح الباری میں کہی ہے، اس کے علاوہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کے "باب" کے ساتھ مناسبت ذکر کرتے ہوئے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے "بأنّ التامین دعا" (کہ آمین دعا ہے) پھر فرماتے ہیں: "انّ التأمین قائم مقام التلخیص بعد البسط فالداعی فصّل المقاصد والمؤمِّن أتی بکلمة تشمل جمیعًا" (اور آمین تفصیل کے بعد اختصار ہے، امام نے اپنے مقاصد ومطالب کو تفصیلاً ذکر کیا اور اس پر "آمین" کہنے والا صرف یہ کلمہ کہتا ہے جو ساری دعا کو شامل ہے(۳) خود امام بخاریؒ نے بھی حضرت عطاؒ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آمین دعا ہے(۴) اور دعا پسندیدہ

(۱) نسائی: باب جهر الامام باٰمین، حدیث نمبر:۹۲۷، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اس کو احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے: اثار السنن: ۱۸۵، باب تأمین الامام، امام بغوی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ (شرح السنة: باب فضل التامین: ۶۱/۳، المکتب الإسلامی، دمشق)

(۲) بخاری: باب جهر الامام بالتامین، حدیث نمبر:۷۴۷

(۳) فتح الباری: باب جهر الإمام بالتأمین، ۳۳۵/۲، دار الفکر، بیروت

(۴) بخاری: باب جهر الامام بالتأمین

وہ ہے جس میں عاجزی اوراخفاء ہو " اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ "(۱) اللہ سے دعا کرو، گڑگڑا کر اور خفیہ (آہستہ) وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿157﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طریقۂ نماز سکھاتے ہوئے فرمایا: "لا تبادروا الإمام، إذا كبّر فكبّروا، وإذا قال: ولا الضالين، فقولوا: آمين، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: اللّهم ربنا لك الحمد" امام سے سبقت نہ کرو، امام جب تکبیر کہے تو اس کے بعد تکبیر کہو، اور جب امام "ولا الضالين" کہے تو تم آمین کہو، اور وہ جب رکوع میں جائے تو اس کے بعد رکوع میں جاؤ اور وہ جب "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم سب "ربنا لك الحمد" کہو۔(۲)

اس روایت میں ارشاد ہوا کہ امام کے "ولا الضالين" کہنے پر تم امین کہو اور اسی روایت میں ہے کہ امام کے "سمع الله لمن حمده" کہنے پر "اللّهم ربنا لك الحمد" کہو، ظاہر ہے کہ "اللّهم ربنا لك الحمد" آہستہ آواز میں کہا جاتا ہے اور بعینہ اسی قسم کے الفاظ کہنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں؛ اس لئے دلالت حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین بھی آہستہ سے کہنا چاہیے۔

﴿158﴾ حضرت حسن رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو دو جگہوں پر سکتہ (خاموشی) کیا، ایک تو جب نماز شروع کیا (تو تعوذ وتسمیہ کیلئے) اور جب "ولا الضالين" پڑھا تو تب بھی، آپ رضی اللہ عنہ (آمین کہنے کیلئے) تھوڑی دیر خاموش رہے "إنه كان إذا صلّى بهم سكت سكتتين، إذا فتتح الصلوة، وإذا قال: ولا الضالين سكت أيضًا هنيئة " لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ بھیجا تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: صحیح وہی ہے جو سمرہ رضی اللہ عنہ نے کیا: "أن الأمر كما صنع سمرة "(۳)

---

(۱) الاعراف:۵۵ (۲) مسلم: باب النهى عن مباردة الامام، حدیث:۴۱۵

(۳) ابوداؤد: باب السكته عند الافتتاح، باب موضع سكتات الامام لقرأة المأموم، حدیث:۷۷۷ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، ملا علی قاری "مرقاۃ" میں فرماتے ہیں: ابن حجر نے کہا ہے: اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (التعليق الحسن :۱۹۱) نیموی نے کہا ہے: اس کی سند صالح ہے۔

﴿159﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "آمین" کہا اور اس میں آواز کو پست کیا: " قال: آمين، واخفى بها صوته".(۱)

﴿160﴾ كان عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ لا يجهران بسم الله الخ ولا بالتعوذ ولا بالآمين۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔(۲)

﴿161﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: " سبحانك اللّٰهم وبحمدك، اعوذ بالله، بسم الله، ربّنا لك الحمد" (۳)

نوٹ: اونچی آواز میں آمین کہنے سے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں، پھر قطع نظر اس سے کہ یہ روایات ضعیف ہیں، ان روایات میں ایک آدھ دفعہ اونچی آواز میں آمین کہنے کا ذکر ہے، جسے قریب کے بعض لوگوں نے سنا تھا، جس پر زور سے کہنے کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ مان بھی لیں تو یہ ایک آدھ دفعہ بھی نو مسلم واردین کو تعلیم دینے کیلئے ہوتا تھا، ورنہ تو اصل میں یہ کلمات آہستہ ادا کرنے کے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ (بطورِ تعلیم) کے "ثناء" کے کلمات بلند آواز میں پڑھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ تعوذ کو زور سے پڑھا، آمین کو تعلیماً زور سے پڑھے جانے پر اس حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے جو شتر دولابی نے "كتاب الأسماء والكنىٰ" میں یحییٰ بن سلمہؒ کے واسطہ سے حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی: باب ما جاء في التامين، حدیث: ۲۴۸، مسند احمد: ۱۸۸۷۴، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد الطیالسی، دار قطنی، حاکم اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔(اثار السنن: ۱۹۲، باب ترك الجهر بالتأمين)

(۲) شرح معانی الاثار: باب قرأة بسم الله الرحمٰن الرحيم في الصلاة، حدیث ۱۱۰۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس روایت کے ایک راوی ابوسعد البقال ہیں، یہ ثقہ اور مدلس ہیں: مجمع الزوائد: باب في بسم الله الرحمن الرحيم، حدیث: ۲۶۲۶، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک ایسی حدیث کی تحسین کی ہے جو ابو سعید بقال سے مروی ہے، نیز امام ترمذی نے " علل کبریٰ " میں ان کے بارے میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے: هو مقارب الحديث لہٰذا یہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں، لہٰذا ان کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان لا يجهر ببسم الله: ۴۱۵۹، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن: ۱۹۸، باب ترك الجهر بالتأمين)

﴿162﴾ کہ آپ ﷺ نے آمین زور سے کہی اور میں سمجھتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا لوگوں کی تعلیم کیلئے کیا: " وما اراه الّا ليُعلّمنا "(۱)

رکوع :

پھر جب قرأت ختم کر چکے تو شکر کے جذبہ سے بھر کر، دل کے ساتھ اللہ کی شانِ کبریائی کا دھیان کرتے ہوئے، اپنے آپ کو اس کی عبادت کی کما حقہ ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے رکوع میں جائے اور سرِ نیاز اس کے سامنے جھکائے، اور اپنے ذلت اور حقارت اور حق تعالیٰ کی بے انتہا عظمت وجلالت کا تصور کر کے دل وزبان سے "سبحٰن ربّی العظیم" (پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار) کہے۔

﴿163﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے اور پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے "إذا قام إلى الصلٰوة يُكبّر حين يقوم، ثُم يُكبّر حين يركع" (۲)

رکوع میں اپنے اوپر کے دھڑ کو اس حد تک جھکائیں کہ گردن اور پیٹھ تقریباً ایک سطح پر آجائیں۔

﴿164﴾ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو "الحمد للّٰه ربّ العالمين" سے شروع فرماتے تھے:"وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوّبه ولكن بين ذٰلك" (۳)

﴿165﴾ ایک دوسری روایت میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول ہیں "إذا ركع استوىٰ فلو صبّ علىٰ ظهره ماء لاستقرّ" جب رکوع کرتے تو پیٹھ کو اس طرح برابر

---

(۱) علامہ نیموی کہتے ہیں: حافظ ابو البشر الدولابی نے اس روایت کو "كتاب الاسماء والكنى" میں ذکر کیا ہے، اس کے ایک راوی یحییٰ بن سلمہ ہیں، حاکم نے انھیں قوی کہا ہے اور ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے، صاحب ''اعلاء السنن'' کہتے ہیں: ان کو ابن حبان نے ''کتاب الضعفاء'' میں ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری: باب يهوى بالتكبير حين يسجد، حدیث:۷۷۰

(۳) مسلم: باب ما يجمع صفة الصلٰوة وما يفتح به، حدیث:۴۹۸

کرتے کہ آپ ﷺ کی پیٹھ پر پانی گرایا جاتا تو وہ ٹھہرا رہتا۔(۱)

رکوع میں انگلیاں کھلی رکھیں اور سجدہ میں ملالیں

﴿166﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع فرماتے تو ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے اور جب سجدہ فرماتے تو انگلیاں ملا لیتے۔(۲)

رکوع میں پاؤں سیدھے رکھیں، اس میں خم نہ ہو اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں کہ ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ ہوں اور بازو سیدھے تنے ہوئے پہلو سے دور رہیں۔

﴿167﴾ خادمِ رسول ﷺ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''يا بنيّ إذا ركعت فضع كفّيك علىٰ ركبتيك، وفرّج بين أصابعك، وارفع يديك عن جنبيك'' (اے بیٹے! جب رکوع کرو تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھو، اور ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھو)۔(۳)

﴿168﴾ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے رکوع کیا، تو ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر اِس طرح رکھا کہ گویا انھیں پکڑے ہوئے ہیں اور بازوں کو تان کر اپنے پہلوؤں سے دور رکھا "فوضع علىٰ ركبتيه كأنّه قابض عليهما ووتّر يديه فنحّاهما عن جنبيه"(۴)

رکوع میں کم از کم اتنی دیر رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا جاسکے۔

﴿169﴾ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں ''سبحٰن ربی

(۱) المعجم الكبير: حدیث:۱۲۷۸۱، احادیث عبداللہ بن عباس، مجمع الزوائد: باب صفة الركوع، حدیث:۲۷۳۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: طبرانی نے اسے ''کبیر'' اور ''اوسط'' میں ذکر کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: حدیث:۲۸۰۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ''کبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

(۳) مسند ابی یعلی: باب شريك عن انس، حدیث:۳۶۲۴، مع تحقیق حسین سلیم اسد، اس روایت کے ایک راوی محمد بن الحسن ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۴) ترمذی: باب ماجاء أنّه يجا في يديه عن جنبيه، حدیث نمبر:۲۶۰، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

العظیم" تین مرتبہ کہتے اور سجدہ میں "سبحان ربی الأعلی" تین بار کہتے۔(۱)

﴿170﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جب رکوع کیا اور اپنے رکوع میں تین بار "سبحٰن ربیّ العظیم" پڑھا تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور تین بار کی تعداد کمال کا ادنیٰ درجہ ہے: "فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا رکع أحدکم فقال: "سبحان ربّی العظیم" ثلاث مرّاتٍ فقد تمّ رکوعه وذٰلك أدناه" اور سجدے میں "سبحٰن ربّی الأعلیٰ" تین بار پڑھا تو سجدہ اس کا مکمل ہو گیا اور یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔(۲)

﴿171﴾ عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: جب "سبّح باسم ربّك العظیم" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں شامل کر لو، پھر جب "سبّح اسم ربّك الأعلی" نازل ہوئی تو فرمایا کہ: اس کو اپنے سجدے میں شامل کر لو۔(۳)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ تین یا تین سے زائد طاق عدد میں تسبیح کہنا افضل ہے، تنہا نماز پڑھنے والا پانچ یا سات دفعہ کہہ سکتا ہے، امام تین سے پانچ دفعہ کہے، اسی طرح رکوع وسجدے کی جو طویل دعائیں احادیث میں منقول ہیں، ان کو نوافل میں پڑھنے کی گنجائش ہے، چنانچہ رکوع وسجود میں نفل نمازوں میں یہ دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

﴿172﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں کہتے تھے: "سُبُّوحٌ، قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوحِ" (نہایت پاک اور مقدس ومنزہ ہے پروردگار ملائکہ کا اور روح (جبرئیل) کا)۔(۴)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما یقول فی رکوعه وسجوده، حدیث نمبر: ۲۷۷۲، علامہ نیموی کہتے ہیں: اس کو بزار، طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (اثار السنن: ۲۲۴، باب ما یقال فی الرکوع والسجود)

(۲) سنن کبریٰ للبیهقی: باب ادنی الکمال، حدیث: ۲۵۲۰، اس روایت کو ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی عون بن عبداللہ ہیں، ان کی ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہے، امام شافعی اس روایت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس کی اصل عقبہ بن عامر کی مندرجۂ ذیل روایت ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب ما یقول الرجل فی رکوعه سجوده، حدیث: ۸۶۹ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

(۴) مسلم: باب ما یقال فی الرکوع والسجود، حدیث: ۴۸۷

﴿173﴾ انھیں سے ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع وسجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے: "سُبْحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ" (اے اللہ! ہمارے رب، ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما) آپ یہ کلمات کہہ کر قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔(۱)

پھر رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جائیں کہ جسم میں کوئی جھکاؤ اور ٹیڑھا پن باقی نہ رہے۔

﴿174﴾ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو خوب سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ نہیں کرتے: "إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتىٰ يستوی قائمًا".(۲)

امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے اگر رکوع میں مل جائیں تو رکعت کو پانے والے شمار ہوں گے

﴿175﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے امام کے پیٹھ اٹھانے سے پہلے رکوع پالیا، اس نے رکعت پائی: "من أدرك ركعةً من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الامام صلبه" (۳)

﴿176﴾ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رکوع کی حالت میں نبی ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا، حضور اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل تمہارے شوق میں اضافہ کرے، اس طرح نہیں کرنا: "زاد الله حرصًا فلا تعد" (۴)

---

(۱) بخاری: باب الدعاء فی الرکوع، حدیث:۷۶۱

(۲) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلوٰة، حدیث:۴۹۸

(۳) صحیح ابن خزیمه: باب ذکر وقت الذی یکون فیه الماموم مدرکا للرکعة :۱۵۹۵، مع تحقیق: محمد مصطفیٰ الاعظمی، ابن خزیمہ نے اس روایت سے یہ ثابت کیا ہے کہ رکوع کو پانے والا رکعت پانے والا ہوتا ہے اور انہوں نے باب قائم کیا ہے "الوقت الذی یکون فیه المأموم مدرکا للرکعة اذا رکع امامه" (مرقاۃ) میں ہے ابن حجر مکی نے کہا ہے: ابن حبان نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن : ۳۴۱/۴) صاحب تحفۃ المحتاج نے کہا ہے کہ: ابن حبان نے اس حدیث کس سند کو اپنی کتاب میں صحیح قرار دیا ہے (تحفة المحتاج: ۴۷۲/۱، دار حراء، مکه مکرمه)

(۴) بخاری: باب اذا رکع دون الصف، حدیث نمبر: ۷۵۰

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس رکعت کو پالیا تھا، اگر اس رکعت کو وہ پانے والے شمار نہ ہوتے تو تو آپ ﷺ انہیں نماز کے لوٹانے کا حکم کرتے، طبرانی کی روایت میں ہے کہ: ان کی سانس پھول رہی تھی، تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد پوچھا: یہ کس کی سانس پھول رہی تھی؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ یہ میری رکعت چھوٹ جائے گی "خشيت ان يفوتني الركعة معك" (۱)

اگر رکعت کے پانے سے رکوع کا پانا شمار نہ ہوتا تو یہ صحابی اس قدر جدو جہد کیوں کرتے؟

﴿177﴾ زید بن وہبؒ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے امام حالتِ رکوع میں تھے، ہم نے (پہلے ہی) رکوع کیا اور پھر چل کر صف میں شامل ہو گئے، امام کے (نماز) سے فارغ ہونے کے بعد میں قضا کرنے کیلئے کھڑا ہوا، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے رکعت پالیا: " فلمّا فرغ الامام قمت أقضى، فقال: قد أدركته" (۲)

قومہ (یعنی رکوع سے کھڑے ہونا)

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت امام "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے اور مقتدی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہے اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) ان دونوں کو کہے۔

"سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (اللہ نے حمد کرنے والے کی سن لی) یہ کلمہ "سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" (پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار) کا گویا اللہ کی طرف سے جواب ہے، جو بندہ کی زبان میں کہلوایا جا رہا ہے، مطلب یہ کہ اے بندے! تیری حمد کو تیرے رب نے سن لی، اللہ عزوجل کی طرف سے یہ قدر افزائی اور بندہ نوازی دیکھ کر بندہ کا انگ انگ جذبۂ شکر و امتنان سے معمور ہو جاتا ہے، وہ دل و جان اور جسم و زبان سے یہ کہہ اٹھتا ہے: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" (اے میرے پروردگار! ساری حمد و ثناء تیرے ہی لئے ہے)۔

﴿178﴾ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: "سمع الله لمن حمده"

---

(۱) عون المعبود: باب الرجل يدرك الامام: ۱۰۶/۳

(۲) مجمع الزوائد: باب فيمن ادرك الركوع: ۲۴۰۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: طبرانی نے اسے "کبیر" میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

کسی شخص نے کہا: ”رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ آپ ﷺ نے جب نماز ختم فرمائی تو دریافت فرمایا: کسی نے یہ کلمات کہے تھے؟ اس نے عرض کیا: میں نے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ” رأيتُ بضعة وثلاثين ملكاً يبتدرونها ، أيّهم يكتبها أوّلُ“ میں نے تیس سے زائد فرشتے دیکھے اُن میں کا ہر ایک کلمات کا ثواب پہلے لکھنے میں دوسرے سے آگے بڑھ رہا تھا۔(۱)

﴿179﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام جب ”سمع الله لمن حمده“ کہے تو تم لوگ (مقتدی) ”اللّهم ربّنا لك الحمد“ کہو۔(۲)

﴿180﴾ حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے پشتِ مبارک اُٹھاتے تو کہتے: ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ، وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَهٗ“(۳)

رفع یدین (ہاتھ اُٹھانا)

رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین بہتر نہیں ہے:

﴿181﴾ مشہور تابعی حضرت علقمہؒ کہتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ألا أصلّي بكم صلاة رسول الله، فلم يرفع يديه الّا في أوّل مرّةٍ“ کیا میں تمہاری تعلیم کے واسطے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز نہ پڑھوں (اس تنبیہ کے بعد) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھایا۔(۴)

﴿182﴾ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا:

---

(۱) بخاري: كتاب الأذان، حديث:۷۹۹

(۲) بخاري: باب ما يقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الركوع، حديث:۷۹۶

(۳) مسلم: باب ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع، حديث:۴۷۶، مع تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي

(۴) ترمذي: باب ما جاء أنّ النبي لم يرفع الّا في أوّل مرّةٍ، حديث:۲۵۷، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب سے متعلق براء بن عازب کی بھی روایت ہے اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، اکثر اہلِ علم: اصحابِ نبی، تابعین کا بھی یہی کہنا ہے، اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی قول ہے (الجوهر النقي :۷۸/۲) میں ہے: اس کے رجال مسلم کے رجال ہیں، اس کی امام ترمذی اور ابن حزم نے محلی میں تصحیح کی ہے۔

مجھے حضور ﷺ کی نماز تم سب میں زیادہ یاد ہے، "أنا كنت أحفظكم لصلاة رسول اللّٰه" پھر آپ نے حضور ﷺ کی نماز کی کیفیت ذکر فرمائی: اس میں آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر کیا۔(۱)

اگر رفعِ یدین کا معمول ہوتا تو حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ اس کا ذکر اس تعلیم کے موقع سے ضرور فرماتے، یا ان کے عدمِ ذکر پر صحابہ رضی اللہ عنہم تو کم از کم ضرور نکیر فرماتے۔

﴿183﴾ حضرت علقمہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں؟ کہتے ہیں: وہ کھڑے ہو گئے، اور اپنے ہاتھوں کو نماز کے شروع میں اٹھایا، پھر دوبارہ نہیں اٹھایا "فقام فرفع يديه في اول مرّة ثم لم يعد" (۲)

﴿184﴾ تمیم بن طرفہؒ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ شریفہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم نماز میں رفعِ یدین کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ما لي أراكم رافعي أيديكم كأنّها أذناب خيل شمس، اسكنوا في الصلاة" مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؛ گویا وہ شریر گھوڑے کی دم ہیں۔(۳)

بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت جس میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے؛ حالانکہ یہ دونوں روایتیں بالکل الگ ہیں، مذکورہ بالا روایت میں معروف "رفعِ یدین" مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس

(۱) بخاری: باب سنة الجلوس في التشهد، حدیث:۷۹۴

(۲) نسائی: باب الرخصة في ترك ذلك، حدیث:۱۰۵۹، نسائی نے اس روایت کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، امام ابن خزیمہ ظاہری نے "المحلّی" میں اور ابن قطان نے "الوهم والأوهام" میں اس کی تصحیح کی ہے جیسا کہ حافظ زیلعی نے "نصب الرایۃ: ۱/۳۹۵" میں ابن دقیق العید سے نقل کیا ہے اور علامہ عینی نے "نخب الافکار: ۲/۶۰۱" میں اور مشہور محقق علامہ احمد شاکر نے مسند کی تعلیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، (مسند احمد، بتعلیقات الشیخ احمد محمد شاکر: ۵/۲۵۱، شیخ البانی نے "تخریج المشکوٰۃ: ۱/۲۵۴) میں اس کو صحیح کہا ہے اور اسے مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے "التعلیق الحسن" میں ہے: اس کی سند صحیح ہے، صاحب "اعلاء السنن: ۳/۶۱" فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں، سوائے سوید کے، یہ ثقہ ہیں، اور عاصم یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور یہ بھی ثقہ ہیں۔

(۳) مسلم باب الأمر بالسكون في الصلوٰة: حدیث:۴۳۰

روایت میں رسول اللہ ﷺ نے "اسکنوا فی الصلاۃ" (نماز میں سکون اختیار کرو) فرمایا ہے اور نماز میں سکون والی بات اسی وقت ہوگی جبکہ نماز کے اندر ہونے والے کام سے متعلق یہ بات کہی جائے اور ظاہر ہے کہ نماز کے اندر تو رکوع یا سجدے کا رفع یدین ہوتا ہے اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانا تو نماز کے اخیر میں ہوتا ہے، اس کو "نماز میں" نہیں کہہ سکتے۔(۱)

﴿185﴾ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آغاز نماز میں تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے: "كان النبي ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه إلى قريب من أذنيه ثمّ لا يعود"(۲)

﴿186﴾ امامِ زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہؒ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو رفعِ یدین کرتے مونڈھوں تک، اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھالیتے تو پھر رفع یدین نہ کرتے اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان کرتے "رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه، واذا أراد ان يركع و بعد ما يرفع رأسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدتين"(۳)

اس حدیث کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، انہوں نے امام زہریؒ سے اور انہوں نے حضرت سالمؒ بن عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اسی سند سے امام بخاریؒ نے بھی رفعِ یدین کی حدیث ان ہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور یہ سند (زہری عن سالم عن عبداللہ) اعلیٰ درجہ کی

---

(۱) نصب الراية: أقوال العلماء فی البسملة: ۳۹۳/۱، مكتبة دار الحديث، مصر

(۲) ابوداؤد: باب من يذكر الرفع عند الركوع، حدیث: ۷۴۹، ابوداؤد نے اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: اس کو ہشیم، خالد اور اور ابن ادریس نے نے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے "ثم لا یعود" کے الفاظ نہیں ذکر کئے، علامہ عثمانی "اعلاء السنن مع هوامشه: ۸۶/۳" میں فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے، اور اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے؛ چونکہ اس روایت کے راوی "شریک" کو ابن شاہین اور احمد بن صالح نے ثقہ قرار دیا ہے، گرچہ یہ مختلط الحدیث ہیں؛ لیکن اس کے شواہد موجود ہیں حکم بن عتیبہ اور عیسی بن ابی لیلیٰ عن عبدالرحمٰن نے شریک کے اس قول "ثم لا یعود" میں متابعت کی ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں، ان روایتوں کو ابوداؤد، طحاوی اور بیہقی نے وکیع سے روایت کیا ہے۔

(۳) مسند حمیدی: ، اجادیث عبد الله بن عمر، حدیث: ۶۱۴، مع تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی

سند مانی جاتی ہے، (۱) اس اعلیٰ درجہ کی سند سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفعِ یدین کرتے تھے، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور سجدوں کے اندر رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔

﴿187﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”صلّیت خلف النبی ﷺ، وابی بکر رضی اللہ عنہ ، وعمر رضی اللہ عنہ، فلم یرفعوا أیدیھم الّا عند افتتاح الصلاۃ“ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، یہ حضرات صرف آغازِ نماز ہی میں رفعِ یدین کرتے تھے۔ (۲)

﴿188﴾ حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ (مرسلاً) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو شروع میں رفعِ یدین فرماتے، اس کے بعد نماز کے کسی حصے میں رفعِ یدین نہ فرماتے؛ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجاتے: ”کان إذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ فی اوّل الصلاۃ، ثمّ لم یرفعھما؛ حتّیٰ یفرغ “(۳)

﴿189﴾ عن الأسود قال: ”رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثمّ لا یعود ، وقال: عبد الملک : رأیتُ الشعبی وإبراھیم و أبا إسحاق لا یرفعون أیدیھم الاّ حین یفتتحون الصلاۃ“ اسود کہتے ہیں کہ میں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کرتے تھے، راوی عبدالملکؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام شعبیؒ، امام ابراہیم نخعیؒ اور محدث ابواسحاقؒ کو دیکھا کہ یہ حضرات بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفعِ یدین کرتے تھے۔ (۴)

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث :۹۹/۱

(۲) سنن کبریٰ للبیھقی: باب من لم یذکر الرفع الّا عند الافتتاح، حدیث:۳۶۵، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ”اعلاء السنن“ میں ابن الترکمانی کے حوالے سے اس حدیث کی سند کا ”جیّد“ ہونا نقل کیا ہے (اعلاء السنن:۶۸/۳)۔

(۳) نصب الرایۃ:۴۰۴/۱، محدث کشمیری نے اسے مرسل جید کہا ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: من کان یرفع یدیہ فی اوّل رکعۃ ثمّ لا یعود، ۲۴۵۶۹، طحاوی نے اسے صحیح کہا ہے، علامہ ترکمانی نے اسے ”الجوھر النقی“ میں مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے ”درایہ“ میں اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے (التعلیق الحسن :۲۰۹) علامہ نیموی فرماتے ہیں: یہ صحیح اثر ہے۔ (اثار السنن : ۲۰۹، باب ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح)

﴿190﴾ عن عاصم بن کلیب عن أبیه: أنّ علیًا کان یرفع یدیه فی أوّل مرّةٍ من الصلاۃ، ثمّ لا یعود" کلیب کا بیان ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے۔(۱)

﴿191﴾ عن أبی أسحاق قال:" کان أصحاب عبد اللّٰه وأصحاب علی لا یرفعون أیدیهم الّا فی افتتاح الصلاۃ ، وقال وکیع: ثُم لا یعودون" ابواسحاقؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھراس کے بعد نہیں کرتے تھے۔(۲)

﴿192﴾ حضرت علقمہؒ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:"صلّیتُ مع رسول اللّٰه ﷺ وأبی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فلم یرفعوا ایدیهم الّا عند افتتاح الصلاۃ" میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، یہ حضرات صرف آغازِ نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔(۳)

﴿193﴾ حضرت اسودؒ کہتے ہیں: میں نے شعبیؒ، ابراہیمؒ اور اسحاقؒ کو دیکھا کہ یہ لوگ صرف ابتدائے نماز میں ہی رفعِ یدین کرتے تھے:"لا یرفعون أیدیهم الّا حین یفتتحون الصلاۃ"(۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: باب من کان یرفع یدیه فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعود ،۲۴۵۷۷، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے "درایہ" میں اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے، علامہ زیلعی کہتے ہیں: یہ صحیح اثر ہے، عینی نے "عمدۃ القاری" میں کہا ہے: عاصم کی حدیث مسلم کے شرط پر صحیح ہے۔(التعلیق الحسن مع اثار السنن:۲۱۱)

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: باب من کان یرفع یدیه......:۲۴۵۶۱، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، ترکمانی نے "الجوہر النقی:۷۸/۲" میں کہا ہے: یہ بھی صحیح سند ہے۔

(۳) سنن بیهقی: باب من لم یذکر الرفع الّا عند الافتتاح ،حدیث:۲۳۶۵،الجوهر النقی:۷۸/۲ میں ہے: اس کی بیہقی نے تخریج کی ہے اور اس کی سند "جید" ہے۔ اور محمد بن جعفر کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، فلاس نے ان کو صدوق کہا ہے، سوائے بخاری کے ان سے ایک جماعت نے روایات لی ہیں، اور یحیی القطان نے ان کو ثقہ کہا ہے، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے، ابن حزم نے اسکو صحیح قرار دیا ہے۔(التلخیص الحبیر : باب صفة الصلاۃ:۵۴۶/۱،دار الکتب العلمیة)

(۴) مصنف ابن ابی شیبة : باب من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔(اعلاء السنن:۶۳/۳)

﴿194﴾ حضرت ابوبکر عیاشؒ کہتے ہیں: میں نے کسی فقیہ کو کبھی اس طرح کرتے نہیں دیکھا ہے کہ وہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوں "یرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولی" (۱)

﴿195﴾ حضرت مغیرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے کہا، حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ابتدائے نماز، رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے" تو انہوں نے فرمایا: "ان کان وائل راٰہ مرّةً یفعل ذالك فقد راٰہ عبد اللّٰہ خمسین مرّة لا یفعل ذلك" اگر وائل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کو پچاسوں مرتبہ ایسے کرتے نہیں دیکھا ہے۔ (۲)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد فقہاء ومحدثین کا اس حوالہ سے مختلف رہا ہے؛ لیکن خلفائے راشدین سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین ثابت نہیں ہے؛ اس لئے یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

احادیث میں مختلف مواقع سے رفعِ یدین کا ذکر ہے، جس پر خود رفع یدین کرنے والوں کا عمل نہیں۔

۱- سجدے میں جاتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت۔ (۳)

۲- دونوں سجدوں کے درمیان۔ (۴)

۳- دوسری رکعت کے شروع میں۔ (۵)

---

(۱) شرح معانی الاثار: باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود: ۱۳۶۴، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، ابن ابی داؤد یہ ثقہ ہیں، طحاوی اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۷۶/۳)

(۲) شرح معانی الاثار: باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، اثر: ۱۲۵۰، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ حسن درجہ کی روایت ہے اس کے تمام رجال ثقہ سوائے مؤمل بن اسماعیل کے، یہ مختلف فیہ ہیں "تقریب" میں ان کو "صدوق، سئیی الحفظ" کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۶/۳)

(۳) نسائی عن مالك ابن حویرث: باب رفع الیدین للسجود، حدیث: ۱۰۸۶

(۴) ابوداؤد عن وائل بن حجر: صلاة عبد اللّٰہ بن زبیر، حدیث: ۷۳۹

(۵) ابوداؤد عن ابوحمید الساعدی: باب من ذکر یرفع یدیه اذا قام من الثنتین، حدیث: ۷۳۰

۴- تیسری رکعت کے شروع میں۔(۱)

۵- اور نماز میں ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت۔(۲)

وہ خود ان مواقع سے رفع یدین کے نسخ (حکم کے منسوخ ہونے) کے قائل ہیں، یہی اس بات کا قرینہ ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کی صورتیں ابتدائے اسلام میں تھیں، جو بعد کو منسوخ ہوگئیں، جس پر حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو کہ رفعِ یدین کے راوی ہیں، ان کا عمل اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے جو ہمارے اس نسخ کے دعوے کیلئے مؤید ہیں۔

﴿196﴾ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، وہ سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے: "لم یکن یرفع یدیه الآفی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ" (۳)

بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع میں جاتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے، اور اُس حدیث کے اخیر میں ہے فما زالنا تلك صلاته حتی لقی الله تعالٰی یہی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک رہی یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ گھڑی ہوئی ہے، اس کی سند میں عصمہ بن محمد الانصاری عبدالرحمٰن بن ریش متہم بالوضع ہیں، اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں، ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف ابتداء میں ہاتھ اُٹھاتے تھے۔(۴)

ہمیں رفع یدین ثابت ہونے سے انکار نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور ساری احادیث یہ اشارہ دے رہی ہیں کہ رفعِ یدین ابتداء میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ اسی طرح مسند حمیدی اور مسند ابوعوانہ کے حوالے سے جو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے(۵) وہ بھی ہمارے نسخ کے دعوے کیلئے مؤید ہے، اس میں انہوں نے حضور اکرم رضی اللہ عنہ کا بعد کا عمل ذکر کیا ہے۔

---

(۱) ابن ماجه: عن علی ابن ابی طالب، باب رفع الیدین اذا رکع، حدیث:۸۶۳

(۲) ابن ماجه: عن ابن عباس، باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع، حدیث:۸۶۵

(۳) شرح معانی الاٰثار: باب التکبیر للرکوع، ۱۲۵۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے "المعرفۃ" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے "آثار السنن: ۲۱۳، باب ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح"

(۴) شرح معانی الاثار: باب التکبیر للرکوع هل مع ذلك رفع ام لا، مصنف ابن ابی شیبه، من کان یرفع یدیه اول مرة ثم لا یعود.

(۵) جو حدیث اسی کتاب میں حدیث نمبر : ۱۸۶ پر واقع ہے۔

سجدہ

جب رکوع سے سر اٹھائے تو اللہ عزوجل کی بے انتہا عظمت وکبریائی اور اس کے شکر وعبادت کا حق ادا کرنے میں اپنی عاجزی وکوتاہی کا تصور کرتے ہوئے، دل وزبان سے "اللّٰـه أكبـر" کہتا ہوا سجدے میں جائے اور اپنی پیشانی (جو جسم کا سب سے اعلیٰ واشرف جز ہے) اللہ کے حضور میں زمین پر رکھ کر اللہ کی بے پناہ عظمت ورفعت کے سامنے اپنی انتہائی ذلت وپستی کی عملی شہادت دے اور اپنی پیشانی کو خاک پر پڑے ہوئے رکھ کر دل وزبان سے یوں کہے: "سبحـن ربیّ الأعلیٰ" پاک ہے میرا پروردگار جو بہت برتر اور بالاتر ہے۔

سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنوں کو موڑ کر انھیں زمین کی طرف لے جائیں، جب گھٹنے زمین پر ٹک جائیں تو اس کے بعد سینے کو جھکائیں، گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے بعد ہاتھ، ناک اور پیشانی زمین پر رکھیں۔

﴿197﴾ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال "رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه، واذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه" حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے زمین پر ہاتھوں کے رکھنے سے پہلے رکھتے۔(۱)

اوپر حدیث میں ذکر کردہ طریقہ ہی افضل اور بہتر ہے، پہلے گھٹنے ٹیکے، پھر ہاتھ زمین پر رکھے، اور یہی مسلک جمہور علماء کا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں اس کی صراحت فرمائی ہے: "اكثر اهل العلم يرون ان يضع الرجل ركبتيه قبل يديه" (اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے، اور جب اٹھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھائے)۔

---

(۱) ترمذی: باب وضع الركبتين قبل اليدين في السجود، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن اور غریب" ہے اس کو شریک کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، پھر فرماتے ہیں: ہمام نے عاصم سے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے، اور اس میں "وائل" کا ذکر نہیں ہے، علامہ نیموی نے آثار السنن میں کہا ہے: یہ حدیث کثرتِ طرق کی وجہ سے درجۂ حسن سے کم نہیں۔(التعليق الحسن :۲۲۸) حاکم نے اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(خلاصة البدر المنير : باب كيفية الصلاة :۱/۱۳۱)

﴿198﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے برابر اٹھایا، پھر رکوع کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جوڑ برابر ہو گیا، اور تکبیر کے ساتھ جھکے، آپ کے دونوں گھٹنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں سے پہلے آگے بڑھے: ”حتی سبقت ركبتاه يديه“(۱)

﴿199﴾ پھر حاکم نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح سند کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ”كان النبي إذا سجد يقع ركبتاه قبل يديه، واذا رفع رفع يديه قبل ركبتيه“ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پہلے (زمین) پر رکھتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔(۲)

﴿200﴾ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسارؒ اپنے والد کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ جب سجدہ کرتے تو پہلے گھٹنوں کو رکھتے، پھر ہاتھوں کو، پھر چہرے کو اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے چہرے کو اٹھاتے، پھر ہاتھوں کو پھر گھٹنوں کو ”اذا سجد وضع ركبته، ثم وجهه، فاذا أرادا أن يقوم رفع وجهه، ثم يديه ثم ركبته“ (۳)

﴿201﴾ حضرت علقمہؒ اور اسودؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز یاد ہے کہ وہ رکوع کے بعد سجدہ کیلئے جھکے، جس طرح اونٹ بیٹھتے وقت جھکتے ہیں ”خرّ بعد ركوعه على ركبتيه كما يخرّ البعير“ اور اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا، ”ووضع ركبتيه قبل يديه“ (۴)

---

(۱) مستدرك حاكم: باب التأمين، حدیث:۸۲۲، حاکم فرماتے ہیں: اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے اور اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے، علامہ ذہبی نے بھی ”تلخیص“ میں یہی بات کہی ہے۔

(۲) مستدرك حاكم: باب التأمين، حدیث:۸۲۲، پھر فرماتے ہیں: مسلم نے ”شریک اور عاصم بن کلیب سے استدلال کیا ہے، اور اسے ذہبی نے مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔

(۳) مصنف عبدالرزاق: باب كيف يقع ساجدا، ۲۹۵۸، عبدالرزاق کہتے ہیں: ”وما احسنه من حديث وأعجب به“، کیا ہی بہتر یہ حدیث ہے

(۴) شرح معاني الآثار: باب ما يبدأ بوضعه في السجود اليدين أو الركبتين، ۱۴۱۹، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۲۲۸، باب وضع اليدين قبل الركبتين)

جن روایات میں گھٹنے پہلے رکھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے ابوداوؒد نے نقل کیا ہے "ولكن يضع يديه قبل ركبتيه" وہ حالت عذر پر محمول ہے، ورنہ تو اصل سنت یہی ہے کہ اوّلاً زمین پر گھٹنے رکھے جائیں، پھر ہاتھ اور پیشانی وغیرہ۔(۱)

سجدے میں دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، دونوں پیر کی انگلیاں اور پیشانی مع ناک زمین پر ٹیک دیں۔

﴿202﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی مع ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پیر کی انگلیوں پر:" أُمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم، على الجبهة، وأشار بيده الىٰ أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين" اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔(۲)

سجدے میں پیشانی دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھیں:

﴿203﴾ "عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مرفوعًا: فلمّا سجد سجد بين كفّيه" حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا (یعنی پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا)۔(۳)

بحالتِ سجدہ ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر قبلہ رُخ رکھیں، اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ کی جانب موڑے رکھیں۔

﴿204﴾ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلائے اور بند کئے بغیر زمین پر رکھا: " اذا سجد وضع يديه غير مفترشٍ ولا قابضهما واستقبل باطراف أصابع رجليه القبلة" یعنی مٹھی کھلی ہوئی رکھا، اور انگلیوں کے درمیان کشادگی کے بجائے انہیں آپس میں ملا کر زمین پر رکھا

(۱) ابوداؤد: باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حدیث:۸۴۰

(۲) بخاری: باب السجود على الأنف، حدیث:۷۷۹

(۳) مسلم: باب وضع يداليمنىٰ على اليسر بعد تكبيرة الاحرام، حدیث:۴۰۱

اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ رُخ رکھا۔(۱)

کہنیوں کو زمین پر نہ بچھائیں، بلکہ زمین سے اٹھی رکھیں:

﴿205﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدہ میں درست رہو، اور تمہارا کوئی اپنے بازو کو زمین پر نہ بچھائے، جس طرح سے کتا زمین پر بازوؤں کو بچھاتا ہے: "اعتدلوا فی السجود، ولا یبسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب" (۲)

سجدے میں دونوں بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھیں، (البتہ اس قدر نہ پھیلائیں کہ جس سے برابر کے نمازیوں کو تکلیف ہو) نیز پیٹ اور رانوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

﴿206﴾ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تبسط ذراعیك، وادّعم علی راحتیك، وتجاف عن ضبعیك، فانك اذا فعلتَ ذلك سجد کل عضوِ معك منك" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سجدہ میں) بازوؤں کو زمین پر نے بچھاؤ اور ہتھیلیوں کو زمین پر جمادو اور بازوؤں کو دونوں پہلو سے دور رکھو، جب تم اس طرح سجدہ کرو گے تو تمہارے سب اعضاء تمہارے ساتھ سجدہ کریں گے۔(۳)

سجدہ کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گذاریں کہ تین مرتبہ "سُبْحٰنَ رَبِّیَ الاَعْلٰی" اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی اُٹھالینا مناسب نہیں۔

﴿207﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی سجدہ کرتا ہے اور سجدہ میں تین بار "سبحن ربی الاعلٰی" کہہ لیتا ہے تو اس کا سجدہ پورا ہو جاتا ہے، اور یہ تعداد کمال کی ادنی ہے: "إذا سجد أحدکم فقال فی سجودہ: "سُبحن ربی الاعلٰی" ثلاث مراتِ فقد تمّ سجودہ، وذلك أدناہ" (۴)

---

(۱) بخاری: باب سنة الجلوس فی التشھد، حدیث:۷۹۴

(۲) بخاری: باب لا یفترش ذراعیہ فی السجود، حدیث:۸۲۲

(۳) مستدرك حاکم: باب التامین، حدیث:۸۲۷، صحیح ابن حبانؒ: حدیث:۱۹۱۴، علامہ ذہبیؒ نے اسے "تلخیص" میں صحیح قرار دیا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد: باب السجود: حدیث نمبر:۲۷۶۷)

(۴) ترمذی: باب التسبیح فی الرکوع والسجود، حدیث:۲۶۱، اس روایت کی سند کی تحقیق گذر چکی ہے

سجدے میں نفل اور انفرادی نمازوں میں دیگر طویل تسبیحات بھی پڑھی جاسکتی ہیں:

﴿208﴾ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کو تہجد میں بحالتِ سجدہ یوں پڑھتے ہوئے سنا: " اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِرِضَاكَ مِنۡ سَخَطِكَ ، وَمُعَافَاتِكَ مِنۡ عُقُوۡبَتِكَ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡكَ لَااُحۡصِیۡ ثَنَاءً عَلَيۡكَ ، اَنۡتَ كَمَا اَثۡنَيۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ "(۱) اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری ہی معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ چاہتا ہوں ، میں تیری ثناء وصفت پوری طرح بیان نہیں کرسکتا ، (بس یہ کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہی ہے، جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔

﴿209﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ ذَنۡبِیۡ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَ أَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ" اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی اور بڑے بھی اور پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے بھی اور ڈھکے ہوئے بھی۔(۲)

سجدے میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے:

﴿210﴾ عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: "نهانی رسول اللّٰه ﷺ عن ثلاثٍ عن نقرةٍ كنقرة الديك واقعاء كا قعاء الكلب، والتفاتٍ كالتفات الثعلب" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں سے منع فرمایا: سجدے میں مرغ کی طرح چونچ مارنے ، اور کتے کی بیٹھک بیٹھنے سے (کہ سرین کو زمین پر ٹیک کر دونوں پیروں کو کھڑا کردیں اور ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائیں) اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے سے۔(۳)

---

(۱) مسلم :باب مايقال فی الركوع والسجود، حدیث:۴۸۶

(۱) مسلم: باب ما يقال فی الركوع والسجود ، حدیث:۴۸۳

(۲) مسند احمد: حديث: مسند ابی هريرة ، حدیث:۸۰۹۱، مجمع الزوائد: باب ما ينهی عنه فی الصلاة من الضحك، حدیث نمبر:۲۴۲۵، علامہ ہیثمی اور منذری فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابویعلی اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور احمد کی سند حسن درجہ کی ہے۔(مجمع الزوائد : باب ما ينهی عنه فی الصلاة من الضحك والالتفات وغير ذلك ، حدیث:۲۴۲۵، الترغيب : كتاب الصلاة ، حدیث:۷۸۸)

جلسہ (یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا)

پھر جب سجدے سے اُٹھے تو اپنے سجدے اور اپنی عبادت کو اس دربارِ عالی کی شان کے لحاظ سے نہایت ناقص اور نا قابل قبول سمجھتے ہوئے ندامت و اعتراف قصور کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہہ کر سجدے سے سر اٹھائے اور سیدھا بیٹھے، بیٹھنے میں بایاں پیر بچھائے اور اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا رکھیں کہ اس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہو جائیں۔

﴿211﴾ ابوحمید الساعدی آنحضرت ﷺ کی نماز کو (مرسلاً) بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ سجدے کیلئے زمین کی طرف جھکتے، اور سجدے میں ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے، پھر سجدہ سے سر کو اُٹھاتے تو اپنے بائیں پیر کو بچھاتے اور اس پر بیٹھتے: " ثمّ یرفع رأسه ویثنی رجله الیسریٰ ویقعد علیه" اور سجدے کی حالت میں پیر کی انگلیوں کو (بجانبِ قبلہ) موڑے رکھا، پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کیا۔(۱)

جب سجدہ سے سر اٹھائیں تو اطمینان سے زمین پر بیٹھیں، پنجوں کے بل نہ بیٹھیں:

﴿212﴾ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے: جب ہم نماز کی حالت میں سجدہ سے سر اٹھائیں تو اطمینان سے زمین پر بیٹھیں: "ولا نستوفزوا علیٰ اطراف الأقدام" پنجوں کے بل نہ بیٹھیں۔(۲)

﴿213﴾ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ (دونوں سجدوں کے درمیان) اپنے بائیں پیر کو بچھاتے اور دائیں پیر کو کھڑا کرتے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے: "ونهی عن عقبة الشیطان" (۳)

﴿214﴾ حضرت مغیرہ بن حکیمؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ دونوں سجدوں میں اپنے پیروں کے بل لوٹ رہیں، (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء فرما رہے

---

(۱) ترمذی: باب افتتاح الصلاۃ، حدیث:۳۰۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ (ابوداؤد: باب افتتاح الصلاۃ، حدیث:۵۳۰)

(۲) مجمع الزوائد: حدیث:۲۸۱۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس روایت کو طبرانی نے ''کبیر'' میں مکمل روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے، ازدی اور ابن حزم نے اس کے بعض کے رجال کے بارے میں غیر معیوب کلام کیا ہے۔

(۳) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلاۃ وما یفتتح به، حدیث نمبر:۴۹۸

ہیں) میں نے ان سے اس بارے میں رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت نہیں ہے: "انھا لیست بسنّة" میں یہ اس واسطے کر رہا ہوں کے مجھے کچھ تکلیف ہے۔(۱)

جلسہ میں کم از کم اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں "ربّ اغفرلی، ربّ اغفرلی" کہہ سکیں:

﴿215﴾ عبس کے ایک آدمی سے روایت ہے وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں "ربّ اغفرلی، ربّ اغفرلی" کہتے تھے۔(۲)

دوسرا سجدہ

پھر اس تصور کے ساتھ "اللّٰہ اکبر" کہہ کر دوسرے سجدہ میں جائیں، اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت ہی عظیم اور رفیع ہے اور خود کو نہایت حقیر اور ذلیل تصور کرے، پھر دل و زبان سے بار بار یوں کہے "سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الاَعۡلٰی، سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الاَعۡلٰی"...... پھر یہ کہتے ہوئے کہ اللہ کی شان ہمارے ان سجدوں اور عبادات سے بہت بالاتر ہے "اَللّٰہُ اَکۡبَرُ" کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔

جلسہ استراحت (یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنا)

دوسری رکعت کیلئے جب کھڑے ہوں تو سیدھے پنجوں کے بل کھڑے ہو جائیں، جلسۂ استراحت (یعنی سجدہ کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے) کی ضرورت نہیں، الاّ یہ کہ کوئی عذر ہو۔

﴿216﴾ "عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ (فی حديث مسیء الصلاة مرفوعًا) ثمّ اسجد حتّی تطمئن ساجدًا، ثم ارفع حتّی تستوی وتطمئن جالسًا، ثم

---

(۱) مؤطا مالك: العمل فی الجلوس فی الصلاة، ۲۹۶، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو مؤطا مالک میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۲۳۳، باب افتراش الرجل اليسری......)

(۲) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل فی ركوعه وسجوده، حدیث: ۸۷۴، ایسے ہی اس روایت کو نسائی نے روایت کیا ہے، اس روایت میں ایک غیر معلوم شخص ہیں، لیکن "تقریب" میں کہا ہے کہ: شاید یہ "صلہ بن زفر" ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعینہ یہ روایت "ابن ماجه: باب ما يقول بين السجدتين، حدیث: ۸۹۷" میں "صلہ بن زفر" کی صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس طرح اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: ۴۵/۳)

اسجد حتّی تطمئن ساجدًا، ثمّ ارفع حتّی تستوی قائمًا" (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (حدیثِ مسیءُ الصلاۃ) میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ، اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو، پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔

﴿217﴾ عباس یا عیاش بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے، جس میں ان کے والد "جو صحابی ہیں" بھی تھے، نیز مجلس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو عباس یا عیاش رضی اللہ عنہ کے والد نے سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی، جس میں یہ ہے کہ " ثُمّ کبّر فسجد ثم فقام ولم یتورك" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا، یعنی کھڑے ہونے سے پہلے نہیں بیٹھے۔ (۲)

﴿218﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے "کان النبی ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی پر عمل ہے، اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری، تیسری رکعت کیلئے) پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب وجوب قرأة الفاتحة فی کلّ رکعة، حدیث: ۷۵۷

(۱) ابوداؤد: باب افتتاح الصلوة، حدیث: ۷۳۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ اثار السنن: ۲۳۵، باب فی ترك الجلسة الاستراحة، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن حبان: باب صفة الصلاة، حدیث: ۱۸۶۶)

(۲) ترمذی: باب مما جاء کیف النهوض من السجود، حدیث: ۲۸۸، اس روایت کے ایک راوی "خالد بن ایاس" کو امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: لیکن ابن عدی نے کہا ہے: ان کی تمام روایتیں "غرائب" سے تعلق رکھتی ہیں، یہ روایتیں اپنے ضعف کے باوجود نقل کئے جانے کے قابل ہیں "تهذیب التهذیب" لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ اس حدیث کے صحیح شواہد موجود ہیں، حافظ ابن حجر نے "فتح" میں ابن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۵۱/۱) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: ترمذی نے کہا ہے کہ: ان کے ضعف کے باوجود ان کی روایتیں لکھنے کے قابل ہوتی ہیں، صحابہ کا اس حوالے سے جو عمل ہے وہ اس کو تقویت دیتا ہے۔ (عمدة القاری: باب أهل العلم والفضل أحق: ۳۲۹/۸)

﴿219﴾ ایک روایت میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا جو طریقۂ نماز نقل کیا گیا ہے اورانہوں نے جو نماز کی عملی تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تیسری رکعت میں بیٹھا کرتے تھے، اس روایت کے نقل کرنے کے بعد حضرت ایوب سختیانیؒ اپنے شیخ ابو یزید عمرو بن سلمؒ کے عمل کو بھی انھیں کے مشابہ قرار دے کر فرماتے ہیں: ”كان يفعل شيئًا لم أرهم يفعلونه ، كان يقعد في الثالثة او الرابعة “ وہ نماز میں ایسا کام کرتے تھے جو میں نے اورلوگوں کو کرتے نہیں دیکھا، وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔(۱)

نوٹ: جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدے سے سر کو اٹھا کر بیٹھتے اور پھر کھڑے ہوتے، یہ روایات مجبوری اور عذر کے حالت کو بیان کرتی ہیں، معذور بوڑھے اشخاص کیلئے یہ اجازت ہے کہ وہ بیٹھیں اور پھر پڑھیں۔

﴿220﴾ حضرت امام شعبیؒ نے کہا کہ ”إنّ عمر وعليّا وأصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كانوا ينهضون في الصلاة على صدور أقدامهم “ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہوجاتے تھے۔(۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۵) اور ابن عمر رضی اللہ عنہ (۶) بھی جلسۂ استراحت نہیں کرتے تھے۔

﴿221﴾ حضرت نعمان بن عیاشؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”أدركتُ غير واحدٍ من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم فكان اذا رفع رأسه من السجدة في اوّل ركعةِ والثالثة قام كماهو ولم يجلس“ میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا کہ وہ

---

(۱) بخاری: باب المكث بين السجدين، حدیث:۸۱۸

(۲) مصنف ابن ابی شيبة: باب من كان ينهض على صدورقدميه، ۴۰۰۲

(۳) مسند احمد: علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں: اس کو احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔(اثار السنن:۲۳۶)

(۴) مصنف ابن ابی شيبة: حدیث:۳۹۹۹، اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں اور بیہقی نے ”سنن کبری میں اور بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔(اثار السنن:۲۳۶)

(۵) مصنف ابن ابی شيبة، حدیث:۴۰۰۵، اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۲۳۷)

(۶) حوالۂ سابق

جب اپنا سر پہلی یا تیسری رکعت کے سجدے سے اٹھاتے تو اسی حال میں کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔(۱)

﴿222﴾ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے، یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا، بیٹھتا نہ تھا: ”اذا رفع احدھم رأسه من السجده الثانية فى الركعة الأولى والثالثة ينهض كما هو ولم يجلس“ (۲)

﴿223﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے، الا یہ کہ آدمی بہت بوڑھا ہو یا بیمار ہو ”انه كان يكره ذلك الّا ان يكون شيخًا كبيرًا أو مريضًا“(۳)

﴿224﴾ حضرت ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔(۴)

سجدے سے اٹھتے وقت زمین سے پہلے سر اٹھائیں پھر ہاتھ، پھر گھٹنے، اور بغیر کسی عذر کے ہاتھوں کو زمین پر نہ ٹیکیں۔

﴿225﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھتے تھے: ”اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه“ اور جب سجدے سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین سے اٹھاتے تھے:” و اذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه “(۵)

﴿226﴾ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال:” نهى رسول الله ﷺ ان يعتمد الرجل

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: باب من كان يقول اذا رفعت رأسه من السجده الثانية فى الركعة الأولى (لم يجلس)، علامہ نیموی نے اسے حسن کہا ہے: اثار السنن:۲۳۶

(۲) مصنف ابن ابی شيبه: باب من كان يقول اذا رفعت رأسك من السجده الثانية فى الركعة الأولىٰ فلا يجلس،۴۰۰۹

(۳) مصنف بن ابی شبية: فى الرجل يعتمد على يديه فى الصلوة،۴۰۰۹

(۴) مصنف ابن ابی شيبة، حدیث:۴۰۰۳

(۵) ابوداؤد: باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حدیث:۸۳۷، ترمذی: باب وضع الركبتين قبل اليدين فى السجود، حدیث:۲۶۲، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے، اس روایت کی مزید بحث گذر چکی ہے۔

علی یدیه اذا نهض فی الصلوة" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دے۔(۱)

﴿227﴾ روایة عن ابی جحیفة: "الّا أن یکون شیخًا کبیرًا لا یستطیع" مگر جب کہ نہایت بوڑھا ہو کہ بغیر ٹیک لگائے اٹھنے کی طاقت نہ ہو۔(۲)

﴿228﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے الّا یہ کہ آدمی بوڑھا ہو: "انّه کان یکره ذلك الّا ان یکون شیخًا اومریضًا" (۳)

دوسری رکعت

جب دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو تو جن تصورات کے ساتھ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت پڑھی تھی، اور جس طرح رکوع وسجدہ کیا تھا، کرے۔

دوسری رکعت میں "ثناء" اور "اعوذ باللّٰه" نہ پڑھیں؛ بلکہ آہستہ سے "بسم اللّٰه" پڑھ کر قرأت شروع کردیں اور باقی احکام میں دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ہے۔

﴿229﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت میں اٹھتے تو "الحمد للّٰه رب العلمین" سے قرأت شروع فرماتے (ثناء وغیرہ) کیلئے خاموش نہ رہتے: "کان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم اذا نهض فی الرکعة الثانیة استفتح القرأة بالحمد رب العلمین ولم یسکت"(۴)

قعدہ اولیٰ

قعدہ کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں، دایاں پیر اس طرح کھڑا

---

(۱) ابوداؤد: باب کراهیة الاعتماد علی الیدین فی الصلوة، حدیث:۹۹۴، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے محمد بن عبدالملک کے شیخین نے ان سے روایت نہیں لی ہے، اور یہ ثقہ ہیں۔(اعلاء السنن :۵۳/۳)، دکتور مصطفیٰ اعظمی کہتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے۔(صحیح ابن خزیمة ، باب الزجر عن الاعتماد علي الأرض ، حدیث:۶۹۲)

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: فی الرجل بعیتمدعلی یدیه فی الصلوة، حدیث:۴۰۲۰

(۳) مصنف ابن ابی شیبة : فی الرجل یعتمد علی یدیه فی الصلاة،۴۰۱۵

(۴) مسلم :باب مایقال بین تکبیرة الاحرام والقرأة،حدیث:۵۹۹

کر دیں کہ اس کی انگلیاں مڑ کر قبلہ رخ ہو جائیں اور بحالتِ عذر جس طرح قدرت ہو اس طرح بیٹھیں، دونوں قعدہ میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے۔

﴿230﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے تھے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھتے تھے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے اور اس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھا دے جس طرح درندے جانور بچھاتے ہیں: "وکان یفترش رجله الیسریٰ وینصب رجله الیمنی، وکان ینهیٰ عن عقبة الشیطان، وینهی ان یفترش الرجل ذراعیه افتراش السبع" (۱)

﴿231﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا، تو جب آپ ﷺ التحیات کیلئے بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور داہنے پاؤں کو کھڑا کیا: "فلمّا جلس للتشهد افترش رجله الیسریٰ ووضع یده الیسریٰ یعنی علی فخده الیسریٰ ونصب رجله الیمنی" ۔(۲)

﴿232﴾ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "من سنّة الصلوة أن تُنصب القدم الیمنی و استقباله باصابعها القبلة والجلوس علی الیسری ،فقلتُ له: انّك تفعل ذلك، فقال: انّ رجلای لا تحملانی" داہنے قدم کو کھڑا رکھ کر اس کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھنا، اور بائیں قدم پر بیٹھنا نماز کی سنت ہے، میں نے کہا: آپ تو اس طرح کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا: میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔(۳)

ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایات جن میں تورک (دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں سرین کے نیچے سے دائیں جانب نکالنے) کا ذکر ہے، یہ عذر پر محمول ہیں، یعنی جو شخص بڑھاپے، موٹاپے یا کسی اور عذر کی بناء پر افتراش نہ کر سکتا ہو تو وہ تورک کر لے۔

---

(۱) مسلم: باب مایجمع صفة الصلوة ،وما یفتح به ونختم به، حدیث:۴۹۸

(۲) ترمذی: باب کیف الجلوس فی التشهد ،حدیث:۲۹۲۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے

(۳) نسائی: باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد، حدیث:۱۱۵۸، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

﴿233﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ''اقعاء''اور''تورک'' سے منع فرمایا ہے:''نهى عن الاقعاء والتورك فى الصلاة'' (۱)

﴿234﴾ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ''اقعاء'' اور''تورک'' سے منع فرمایا ہے۔(۲)

﴿235﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا کرتے کہ اس کی انگلیاں موڑ کر قبلہ رخ کرتے۔(۳)

تشہد (قعدہ میں ہتھیلیوں کو گھٹنے سے متصل ران پر رکھے رہیں اور التحیات پڑھیں)

﴿236﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وں میں بیٹھتے تو بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر اور دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے:''وضع كفه اليسرى علىٰ فخذه اليسرىٰ ووضع كفه اليمنىٰ علىٰ فخذه اليمنىٰ ''(۴)

جب التحیات پڑھیں تو پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ پڑھیں، احادیث میں التحیات مختلف الفاظ میں منقول ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور بہتر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿237﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس اہتمام سے التحیات سکھایا کہ جس اہتمام سے قرآن سکھاتے اور مزید اہتمام کی غرض سے مصافحہ کی طرح میرے ہاتھ کو اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان پکڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں بیٹھے تو یہ پڑھے :

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الاقعاء والتورك فى الصلاة، حدیث:۲۴۶۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو بزار نے اپنے شیخ ''ہارون بن سفیان'' سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں، علقمی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔(اعلاء السنن:۱۰۲/۳) محقق شعیب الارنوط نے اس سند کے رجال کو صحیح کے رجال قرار دیا ہے(مسند احمد : مسند انس بن مالك ،حدیث:۱۳۴۶۲)

(۲) مستدرك حاكم: باب التامين ،حدیث نمبر:۱۰۰۵، پھر فرماتے ہیں: یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے، علامہ ذہبی نے اسے دونوں کی شرط پر قرار دیا ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبة : باب یفترش الیسریٰ وینصب الیمنیٰ، حدیث:۲۹۴۶، علقمی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور پر مذکورہ روایات اس کی مؤید ہیں۔

(۴) مسلم: باب صفة الجلوس فى الصلاة و كيفية وضع اليدين على الفخذين، حدیث:۵۷۹

اَلتَّحِيّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. (۱)

”ادب وتعظیم کے سارے کلمے اللہ ہی کیلئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کیلئے ہیں، سلام ہو تم پر اے نبی ﷺ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، سلام ہو تم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی قابلِ عبادت نہیں، سوائے اللہ کے اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں“۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے۔(۲)

تشہد میں انگلی اٹھانے کا طریقہ

التحیات پڑھتے وقت جب ”اشهد أن لا“ پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں اور چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کرلیں اور شہادت (یعنی کلمہ) کی انگلی کو صرف اٹھائیں اور اسے حرکت نہ دیں۔

﴿238﴾ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ جب قعدہ میں تشہد پڑھتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو داہنے ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھتے اور لقمہ بناتے بائیں ہتھیلی کا (یعنی بائیں ہتھیلی کو گھٹنے سے اس قدر قریب رکھتے کہ گھٹنا ہتھیلیوں کے اندر آجاتا)”ووضع يده اليمنىٰ علـى فخذه اليمنىٰ، ويده اليسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ وأشار باصبعه السبّابة ووضع ابهامه على اصبعه الوسطى على الفخذين، ويلقم كفّه اليسرى ركبته“(۳)

---

(۱) بخاری: باب التشهد في الاخيرة، حدیث:۳۹۷

(۲) ترمذی: باب ما جاء في التشهد، حدیث:۲۸۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس بارے میں حضور ﷺ کی یہ سب سے صحیح روایت ہے۔

(۳) مسلم: باب صفة الجلوس في الصلاة، حدیث:۵۷۹

﴿239﴾ عن عبد الله بن زبير رضی اللہ عنہ انه ذكر "أنّ النبیّ ﷺ كان يشير باصبعه اذا دعا ولا يحرّ كها" عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ جب اللہ کو توحید کے ساتھ پکارتے تو انگلی مبارک سے اشارہ کرتے اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔(۱)

اس کے مقابل بیہقی نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے "فرأيته يحر كها يدعوبها" میں نے اسے حرکت دیتے ہوئے اور اس سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وائل کی روایت میں حرکت دینے سے مراد محض اشارہ کرنا ہو نہ کہ اس کو بار بار حرکت دینا، کیونکہ اشارہ بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔(۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب الاشارة فی التشهد، حدیث:۹۸۹، نسائی: باب بسط الیسریٰ علی الرکبة حدیث:۱۲۷۰، نووی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(المجموع:۴۱۷/۳) امام ابن ملقن نے "خلاصة البدر المنیر: باب کیفیة الصلاة:۱۳۹/۱، مکتبة الرشد، الریاض" میں کہا ہے کہ اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نے "تمام المنة" میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس کے سند میں ایک راوی محمد بن عجلان پر کلام کیا گیا ہے اور ان سے چار ثقہ لوگوں نے اس حدیث کو "لا یحرکھا" کی زیادتی کے بغیر نقل کیا ہے، اسی طرح دو ثقہ حضرات نے ابن عجلان کے شیخ عامر بن عبداللہ سے اس کو اس زیادتی کے بغیر روایت کیا ہے لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ البانی کی یہ بات کئی وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لئے کہ محمد بن عجلان کو جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے، ابنِ حجرؒ نے ان کو "احد العلماء العاملین" کہا ہے اور امام احمد سفیان بن عیینہ، ابنِ معین، ابوزرعہ، نسائی، ابوحاتم وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، یعقوب بن شیبہ نے ان کو صدوق کہا ہے، ابن سعد نے کہا ہے کہ: یہ عابد و فقیہ تھے اور مسجد میں ان کا ایک حلقہ تھا اور وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور عجلی نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔(تهذيب الكمال: ۱۰۲/۲۶، تهذيب التهذيب:۹/۳۰۳-۳۰۴) دوسرے یہ کہ جس طرح شیخ البانی نے اس زیادتی کو شاذ کہا ہے، اسی طرح بعض حضرات نے وائل بن حجر کی حدیث میں "یحرکھا" کو شاذ کہا ہے، ابنِ خزیمہ نے اس روایت کو اپنی صحیح میں نقل کرنے کے بعد اس کے شاذ ہونے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں: "احادیث میں سوائے اس حدیث کے کسی میں "یحرکھا" نہیں ہے، (صحیح ابنِ خزیمه: باب صفة اليدين على الركبتين في التشهد، حدیث:۷۱۴) اور خود شیخ البانی لکھتے ہیں: ایک یمنی طالبِ علم نے "البشارة فی شذوذ تحريك الاصبع فی التشهد والاشاره" نامی رسالہ میں اس زیادتی کو شاذ قرار دیا ہے، پھر شیخ البانی نے اس کے شذوذ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس زیادتی کو علماء نے قبول کیا ہے، تو کیا حضرت ابنِ زبیر کی حرکت نہ دینے کی روایت کو علماء نے رد کیا ہے؟ واضح رہے کہ امام نوویؒ نے اس کی تصحیح کی ہے، جمہور علماء اسی پر عمل کرتے ہیں اور انگلی کو حرکت دینے سے منع کرتے ہیں۔

(۲) سنن کبریٰ للبیھقی: باب من روى انه اشار بها ولم يحر كها، حدیث:۲۶۱۵

ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' میں کہا ہے کہ: یہاں حرکت دینے سے مراد محض انگلی کا اٹھانا ہے، اور اٹھانا بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔(۱)

﴿240﴾ ایک روایت میں مذکورہ بالا مسلم کی روایت میں جو تشہد کی انگلی اٹھانے کا طریقہ بیان کیا ہے اس کو بعض روایات میں ''عقد ثلاث و خمسین'' کہا گیا ہے، ''وعقد ثلاث وخمسین واشار بالسبّابة'' ترپن کا عقد کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔(۲)

﴿241﴾ مالک بن نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں بحالتِ قعود دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہیں کہ تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی، آپ تشہد میں اشارہ کر رہے تھے: ''انه رأى النبىّ قاعدًا فى الصلاة ذراعه اليمنىٰ على فخذه اليمنى رافعًا اصبعه السبّابة قد أحناها شيئا وهو يدعو'' (۳)

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ'' کہتے ہوئے انگلی اٹھائے، اور ''اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ کر اُنگلی چھوڑ دے

عن عبد اللّٰه بن زبير رضی اللہ عنہ انه ذكر ''أنّ النبىّ ﷺ كان يشير باصبعه اذا دعا ولا يحرّكها'' عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ جب اللہ کو توحید کے ساتھ پکارتے تو انگلی مبارک سے اشارہ کرتے اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔(۴)

اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے، یہاں

---

(۱) اعلاء السنن: ۱۱۲/۳

(۲) مسلم: باب صفة الجلوس فى الصلاة، وكيفية وضع اليمنىٰ على الركبتين، حديث: ۱۳۳۸

(۳) نسائی: باب احناء السبّابة فى الاشارة، حدیث: ۱۲۷۴، ابوداؤد: باب الاشارة فى التشهد حدیث: ۹۹۱، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابن ماجہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۲۴۲، باب الاشارة باالسبّابة)

(۴) ابوداؤد: باب الاشارة فى التشهد، حدیث: ۹۹۱، نسائی: باب بسط اليسرىٰ على الركبة، حدیث: ۱۲۷۰، نووی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (خلاصة الأحكام ك فصل فى ضعيفه، حدیث: ۱۳۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) امام ابن ملقن نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے ''خلاصة البدر المنير: ۱۳۹/۱، مناوی نے بھی نووی کے حوالہ سے اس سند کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔ (فيض القدير: باب كان وهو الشمائل الشريقة، حدیث: ۷۰۵۶: ۲۲۱/۵)

دعا سے تشہد مراد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا یہ اشارہ تشہد پڑھتے وقت ہوتا تھا؛ لہٰذا اس کے بعد اس اشارہ کا باقی نہ رہنا ہی ظاہر ہے؛ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''امدادُ الفتاوی'' میں فرمایا کہ ''دعا کی تفسیر تشہد کے ساتھ ''مسلم شریف'' میں ہے اور ظاہر ہے "إذا" توقیت کیلئے آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل لا الٰـہ الاَّ اللّٰـہ کے وقت تھا، پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہو جائے گا۔(۱)

آگے انگلی سے اشارے کی حقیقت کے تحت حضرت خفاف بن ایماء کی روایت آ رہی ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلی اُٹھانے سے توحید کا اشارہ کرتے تھے، ولکنہ التوحید ،آپ ﷺ کا یہ اِشارہ دراصل توحید کا اشارہ تھا اور توحید تشہد کا نام ہے؛ کیونکہ اس میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی گواہی دینا ہے اور توحید میں ایک تو غیر اللہ سے اُلوہیت کی نفی ہے اور دوسرے اللہ کی اُلوہیت کا اقرار اور اثبات ہے تو اشارہ میں نفی اور اثبات ہونا چاہیئے، اس لئے علماءِ حنفیہ نے فرمایا کہ اثبات کیلئے انگلی اُٹھانا اور نفی کیلئے انگلی کو رکھنا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "اشھد ان لآ الٰـہ الا اللّٰـہ" پر انگلی اُٹھانا اور "الا اللّٰہ" پر گرانا صریح طور پر وارد نہیں ہوا تو ہم کہتے ہیں، سارے مسائل صریح دلیل ہی کی بنیاد پر اخذ نہیں کیے جاتے، بہت سے مسائل دلیل کے اشارات و دَلالات سے بھی لئے جاتے، لہٰذا ان اشارات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ "أشھد أن لآ الٰـہ الا اللّٰـہ" پر انگلی اُٹھانا اور "الا اللّٰـہ" پر گرا دینا چاہیئے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات بھی تو کسی روایت میں صراحت کے ساتھ وارد نہیں ہوئی ہے کہ انگلی کا اشارہ اخیر تک اُٹھائے رکھا جائے۔

صرف ایک انگلی سے اشارہ کریں:

﴿242﴾ عن سعدٍ رضی اللہ عنہ قال: "مرّ رسول اللّٰہ ﷺ وأنا ادعو باصابعیّ، فقال: أحد، أحد، واشار بالسبّابة" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گذرے اور میں تشہد میں سارے انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے، آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔(۲)

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱/۲۰۹

(۲) نسائی: باب النھی عن الاشارة باصبعین، وبأیّ اصبع یشیر ،حدیث: ۱۲۷۴، حاکم نے مستدرک میں کہا ہے: اگر سعد نے ابو صالح سمان سے سنا ہے تو یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔(مستدرك حاکم: کتاب الدعاء والتکبیر والتھلیل ،حدیث: ۱۹۶۶)

انگلی سے اشارہ کی حقیقت

﴿243﴾ حضرت خفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے اخیر میں یعنی قعدہ میں بیٹھتے تو اپنی انگلیٔ مبارک سے اشارہ فرماتے، مشرکین کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس اشارہ سے جادو کرتے ہیں؛ حالانکہ مشرکین جھوٹ بولتے تھے؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اشارہ سے توحید کا اشارہ فرماتے تھے، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اشارہ ہے۔(۱)

﴿244﴾ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے، اور نگاہ اُنگلی پر رکھتے، پھر (نماز کے بعد) فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" لھی أشد علی الشیطن من الحدید یعنی السبّابة " یہ شہادت کی انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے، یعنی تشہد کی حالت میں شہادت کی انگلی سے اللہ کی وحدانیت کا اشارہ کرنا شیطان پر کسی کو نیزے وغیرہ مارنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔(۲)

امام بیہقیؒ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انگشتِ شہادت سے آگے نہیں جاتی۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اشارہ کرتے ہوئے انگلی کا رُخ قبلہ کی طرف ہوتا۔(۴)

ثناء، اعوذ باللہ، بسم اللہ کی طرح "التحیات" بھی آہستہ پڑھیں:

﴿245﴾ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال:"من السنّة ان یُخفی التشھد"

---

(۱) مجمع الزوائد: باب التشهد والجلوس والاشارة با لاصبع فيه، حدیث:۲۸۴۳ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور طبرانی نے "کبیر" میں میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مسند احمد، حدیث:۶۰۰۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو بزار اور احمد نے روایت کیا ہے، اس میں کثیر بن زید راوی ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے ضعیف قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد: باب التشهد والجلوس والاشارة، حدیث:۲۸۵۰)

(۳) سنن کبریٰ بیهقی، باب النسة فی أن لا یجاوز بصره اشارته، حدیث:۲۶۱۸

(۴) سنن کبریٰ بیهقی، باب کیفیة الاشارة بالمبحة، حدیث:۲۶۱۷

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ التحیات کا آہستہ پڑھنا سنت میں سے ہے۔(۱)

تیسری رکعت

فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نمازوں کے پہلے قعدہ میں التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کیلئے اٹھ جائے، التحیات پر کچھ اضافہ نہ کرے۔

﴿246﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد پڑھنا سکھایا، درمیان نماز میں اور آخر نماز میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیان نماز اور آخر نماز میں اپنے کولہے پر بیٹھتے تو "التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات" پڑھتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان نماز میں ہوتے تو "التحیات" سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہوجاتے اور اگر آخری نماز میں ہوتے تو التحیات کے بعد دعا پڑھتے جو دعا بھی اللہ چاہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں، اس کے بعد سلام پھیرتے" ثم ان کان فی وسط الصلاۃ نهض حین یفرغ من تشهده وان کان فی اٰخرها دعا بعد تشهده بما شاء اللّٰه ان یدعو ثم یسلّم "(۲)

﴿247﴾ عن ابی عبیدة عن عبداللّٰه ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال:" کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرکعتین کأنّه علی الرضف، قلت: یقوم، قال: ذالك" ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت (یعنی قعدۂ اولیٰ) میں اس قدر جلدی کرتے گویا جلتے توے پر بیٹھے تھے، راوی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کیلئے جلدی کرتے تھے، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہی ارادہ فرماتے تھے۔(۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب اخفاء التشهد، حدیث:۹۸۶، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد، ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔(اثار السنن: باب ما جاء فی التشهد:۲۴۱)، یہی بات علامہ عینی نے بھی کہا ہے۔(عمدة القاری: باب الدعاء قبل السلام:۹/۳۷۸)

(۲) مسند ابن خزیمة: حدیث:۷۰۸، مع تحقیق: محمد مصطفیٰ الاعظمی، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد: باب التشهد والجلوس والاشارة بالاصبع فیه، حدیث:۲۸۶۰) محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو صحیح اور اس کی سند کو حسن کہا ہے:۔(مسند احمد: مسند عبد الله بن مسعود، حدیث:۴۳۸۲)

(۳) ابوداؤد: باب فی تخفیف القعود، حدیث:۹۹۷، ترمذی: مقدار فی الرکعتین الأولیین، حدیث:۳۶۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ''حسن'' ہے، البتہ مرسل ہے کیوں کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے (لیکن مؤید بالعمل ہے) اور اسی پر عمل ہے اہل علم کا، یہ حضرات اسی کو پسند کرتے ہیں، کہ آدمی دوسری رکعت میں قعدہ کو لمبا نہ کرے، اور اس میں ''التحیات'' کے علاوہ کچھ نہ پڑھے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پہلے قعدہ میں تشہد کے ساتھ کچھ اور پڑھ لے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا، یہی امام شعبیؒ وغیرہ سے مروی ہے۔

﴿248﴾ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہیں کرتے تھے:'' کان لا یزید فی الرکعتن علی التشهد ''(۱)

﴿249﴾ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تیسری رکعت کیلئے تشہد سے کھڑے ہوتے تھے۔ (۲)

﴿250﴾ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہ کرے:'' کان یقول لا یزید فی الرکعتین الأولیین علی التشهد'' (۳)

﴿251﴾ امام شعبیؒ پہلی دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی کرنے والے پر سجدۂ سہو لازم قرار دیتے تھے۔ (۴)

تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھیں، ان دونوں کے احکام (فرائض نماز) میں (قرأت) کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قعدۂ اخیرہ

قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد یہ خیال کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے کہ اس دربارِ خداوندی تک ہم کو رسائی اللہ کی رہنمائی سے حاصل ہوتی ہے، ہمارا ایمان، اسلام اور اللہ سے

---

(۱) مسند ابی یعلی : مسند عائشة، ۴۳۷۳، محقق حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے،، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو ابویعلی حویرث عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور ظاہر ہے یہ خالد ابن الحویرث ہیں اور وہ ثقہ ہیں اور اس کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب التشهد والجلوس والاشارة بالاصبع فيه ، حدیث، ۲۸۵۹)

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: قدر کم یقعد فی الرکعتین الاولیین ،۳۰۳۴،''التلخیص الحبیر'' میں ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبه: قدر کم یقعد فی الرکعتین الأولیین، ۳۰۳۸

(۴) مصنف ابن ابی شیبه: قدر کم یقعد فی الرکعتین الأولیین، ۳۰۳۹

تعلق حضور ﷺ کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ ہی حضور ﷺ کی ان کوششوں اور احسانات کا بدلہ دے سکتا ہے؛ لہٰذا درود کی شکل میں دعائے رحمت کے ذریعے آپ کے احسان کے اعتراف کے ساتھ نماز کو ختم کر دے۔

﴿252﴾ مشہور تابعی امام عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰؒ کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات مجھ سے ہوئی تھی، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ایک تحفہ نہ دوں، جسے میں اللہ کے نبی ﷺ سے سنا ہے، میں نے عرض کیا: ضرور وہ تحفہ مجھے عطا فرمائیں، تو انہوں نہ کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اہل پر درود کس طرح بھیجا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں (التحیات میں سلام بھیجنے کا طریقہ بتا دیا ہے، کہ ہم "السلام علیك ایُّها النبیّ ورحمة اللّٰه وبرکاته" کہا کریں) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان الفاظ میں درود بھیجو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وعلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ. (۱)

"اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد (ﷺ) اور حضرت محمد (ﷺ) کے گھر والوں پر جیسا کہ تو نے عنایت ورحمت فرمائی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کے گھر والوں پر، تو حمد وستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے، اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما! حضرت محمد (ﷺ) اور حضرت محمد (ﷺ) کے گھر والوں پر جیسے کے تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کے گھر والوں پر، تو حمد وستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے"۔

دُرود شریف پر گویا نماز ہوچکی؛ مگر اس نماز کو اللہ عزوجل کی شانِ عالی کے سامنے نہایت ناقص اور کمتر سمجھتے ہوئے اپنے اندر خوف و دل شکستگی کی کیفیت پیدا کرے اور نہایت الحاح وزاری کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور "دُعائے ماثورہ" عرض کرے۔

---

(۱) بخاری: باب الصلاۃ علی النبی، حدیث: ۵۹۹۷

﴿253﴾ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے کہ میں اپنی نماز میں کیا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یہ دعا) کیا کرو:

”اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم“

اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے (یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو، پس میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے، اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے۔(۱)

سلام

دعا سے فارغ ہوکر دائیں بائیں جانب سلام پھیریں، سلام پھیرتے وقت گردن اتنی موڑیں کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

﴿254﴾ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جانب سلام پھیرتے؛ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا: ”كُنتُ أرى رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يسلّم عن يمينه وعن يساره؛ حتّىٰ أرى بياض خدّه “(۲)

داہنے جانب سلام پھیرنے میں داہنے جانب کے رفقاءِ نماز اور فرشتوں کی نیت کرے اور بائیں جانب اس جانب والوں کی، امام جس جانب ہو اس کی نیت اسی جانب کے سلام میں کرے، اس سلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم پوری نماز میں اس قدر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ اور اس سے مناجات اور عرض و معروض میں مصروف تھے کہ آس پاس کی دنیا سے حتی کہ اپنے فرشتوں سے بھی منقطع اور غائب ہوکر گویا کسی دوسرے ہی عالم میں ہیں، نماز کے ختم پر گویا اس عالم سے پلٹ کر تازہ ملاقات کرتے ہیں اور دائیں اور بائیں کے رفیقوں اور فرشتوں کو سلام کرتے ہیں۔

(۱) بخاری: باب الدعاء قبل السلام، حدیث:۷۹۹

(۲) مسلم: باب السلام للتحليل من الصلاة عند الفراغ، حدیث:۵۸۲

نماز کے بعد دُعا

نماز کے بعد دعا مسنون اور مستحب ہے، بہت مقبول ہوتی ہے، شرط یہ ہے کہ حضورِ قلب کے ساتھ خوب اہتمام کے ساتھ کی جائے، عربی میں ہو یا اپنی زبان میں، مگر اخلاص کے ساتھ اور رب ذوالجلال کی جانب لو لگا کر ہو، نماز کے بعد دعا کے مقبول اور مسنون ہونے پر درجِ ذیل روایتیں دلالت کرتی ہیں (نماز کے بعد اس طرح دعا کرنا مستحب ہے، اگر کوئی نہ کرے تو ملامت کا مستحق نہیں)۔

﴿255﴾ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی دعا بارگاہِ خداوندی میں زیادہ سنی جاتی ہے، اور قبول کی جاتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دعا جو رات کے آخری حصہ میں کی جائے اور وہ دعا جو فرض نمازوں کے بعد کی جائے: ”جوف الليل الاٰخر، ودبر الصلوات المكتوبة“ (۱)

﴿256﴾ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے بعد دعا کرتے تھے: ”كان يدعو فى دبر صلاته“(۲)

﴿257﴾ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز (نفل) دو رکعت ہے، تشہد پڑھو، ہر رکعت میں اور اظہار خشوع، عجز وانکساری اور مسکنت کرو اور اٹھاؤ اپنے ہاتھوں کو یعنی ہتھیلی کے باطنی حصہ کو چہرے کے سامنے کرو اور ”یا ربّ، یا ربّ“ کہو، یعنی دعا مانگو اور جو شخص یہ نہ کرے، اس کی نماز ایسی ویسی ہے، یعنی ناقص ہے: ”وتفتح يديك، يقول: ترفعهما الى ربّك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول: يا ربّ، يا ربّ، ومن لم يفعل ذٰلك فهو كذا كذا“(۳)

امام ابن خزیمہؒ اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں ہاتھوں کو

---

(۱) ترمذی: باب ينزل ربنا كل ليلة، حدیث:۳۵۷۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن، صحیح، غریب کہا ہے۔

(۲) التاريخ الكبير للبخاری: حدیث:۱۷۷۲، باب عبد ربّه، مع تحقيق هاشم الندوی

(۳) ترمذی: باب التخشع فى الصلاة، حدیث:۸۸۵، اس کو ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: باب ما يُقرأ اذ فرغ من الصلاة:۳/۲۰۳)

اٹھا کر اللہ سے دعا وسوال کرنے کا حکم ہے، اور سلام سے پہلے بحالت تشہد دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا سنت نہیں ہے: نیز یہ حدیث بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ نے نمازی کو حکم دیا کہ وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کے بعد ہاتھوں کو اٹھائے اور اللہ سے دعا اور سوال کرے۔(۱)

﴿258﴾ محمد بن یحییٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو نماز سے پہلے ہاتھوں کو اٹھائے دیکھا تو جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص سے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے: ”انّ رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیہ حتّیٰ یفرغ من صلاتہ “(۲)

دُعا کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کے اندرونی حصہ کو چہرے کے سامنے کرتے ہوئے اتنا اٹھائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں اور دُعا سے فراغت کے بعد انہیں چہرے پر پھیرلیں:

﴿259﴾ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا رَب حیاء والا اور سخی ہے، جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اُسے خالی واپس کرنے سے حیاء کرتا ہے: ”یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرًا “ (۳)

﴿260﴾ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ کے پہلو نظر آرہے تھے اور آپ ﷺ دعاء فرمارہے تھے: ”رأیت رسول اللہ ﷺ رافعًا یدیہ حتی بدا ضبعاہ وھو یدعو“ (۴)

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ: باب ذکر الأخبار المنصوصة الدالة علی خلاف قول من زعم ان تطوّع النھار اربعًا لا مثنی، حدیث:۱۲۱۳

(۲) معجم الکبیر للطبرانی :حدیث:۹۰،مجمع الزوائد: باب التشھد،حدیث:۱۷۳۴۵،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند بیان کی ہے ”محمد بن ابی یحیی الاسلمی عن عبد اللہ بن زبیر “اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

(۳) ابوداؤد: باب الدعاء، حدیث:۱۴۸۸، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، حافظ نے ”فتح“ میں اسے ”سند جید“ کے ساتھ کہا ہے، حاکم نے اسے ”مستدرک“ میں شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔(اثار السنن :باب رفع الیدین فی الدعاء :۲۴۸) علامہ حجر نے فتح الباری : باب رفع الأیدی فی الدعاء :۱۸/۱۱۳ میں کہا ہے: اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

(۴) جزء رفع الیدین للبخاری :علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔(اثار السنن : ۲۴۸،باب رفع الیدین فی الدعاء)

﴿261﴾ حضرت اسود عامریؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: "صلّيت مع رسول الله ﷺ الفجر، فلمّا سلّم انصرف ورفع يديه ودعا" (۱)

﴿262﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اللہ سے دُعا کرو تو باطنی ہتھیلی سے دُعا کرو، ہتھیلی کے ظاہر سے دُعا نہ کرو، اور جب دُعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا کرو: "فادع بباطن كفّيك، ولا تدعو بظهورهما، فاذا فرغت، فامسح بهما وجهه"(۲)

﴿263﴾ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اندرونی ہتھیلیوں سے دعا مانگا کرو، ہتھیلیوں کے باہری حصہ سے نہ مانگا کرو: "سلوا اللّٰه ببطون أكفكم ولا تسئلوه بظهورهما" (۳)

﴿264﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ دعاء کیلئے جب ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اپنے چہرے پر پھیر لینے سے پہلے نیچا نہیں کرتے: "اذا رفع يديه فى الدعاء لم يحطّهما حتى يمسح بهما وجهه" (۴)

﴿265﴾ امام بخاریؒ نے اس حوالہ سے باب قائم کیا ہے: "باب رفع الايدى فى الدعاء، كتاب الدعوات"

---

(۱) سنيّة رفع اليدين فى الدعاء بعد الصلوات المكتوبة مع جزء الرفع اليدين للبخارى:۲۳

(۲) ابن ماجه: باب رفع اليدين فى الدعاء، حدیث نمبر:۱۱۸۱، علامہ سیوطی نے "فض الوعاء: حدیث:۳۱، ۱/۳، ۳۷، مكتبة المينار، الزرقاء" میں کہا ہے: شیخ الاسلام ابوالفضل بن حجر اپنی "امالی" میں کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، یہ اس کے شواہد کی وجہ سے ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فى الاشارة فى الدعاء ورفع اليدين، حدیث:۱۷۳۴۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے عمار خالد الواسطی کے، یہ ثقہ ہیں، یہی بات علامہ سیوطی نے "فض الوعاء: حدیث۴۳: ۱/۸۷" میں کہی ہے۔

(۴) ترمذی: باب رفع الأيدى فى الدعاء، حدیث:۳۳۸۶، ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح اور غریب ہے، حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام: باب ذکر الدعاء والصلاۃ" میں کہا ہے: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کے شواہد میں عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مجموعی طور پر یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

نماز کے بعد اور دیگر احوال میں اجتماعی دعا کی جاسکتی ہے اور اجتماعی دُعا قبولیت کیلئے زیادہ مؤثر ہوتی ہے:

﴿266﴾ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم نے اپنی ہتھیلیوں کو اللہ کی جانب اٹھایا کسی چیز کو مانگتے ہوئے تو اللہ تعالی نے ذمہ لیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ان کی مانگی ہوئی چیز رکھ دیں گے: "ما رفع أكفهم الى اللّٰه تعالىٰ يسألونه شيئاً الّا على اللّٰه ان يضع فى أيديهم الذى سألوا" (۱)

﴿267﴾ حضرت حبیب بن مسلم فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قوم مسلم جب جمع ہوتی ہے اور ان میں بعض دعا کرتے ہیں اور سب آمین کہتے ہیں تو اللہ ان کی دعا قبول کر لیتے ہیں: "لا يجتمع ملأ يدعو بعضهم ويؤمّن سائرهم الّا اجابهم اللّٰه" (۲)

ان دونوں حدیثوں سے اجتماعی دعا اور اس کی قبولیت کا ثبوت ہوتا ہے۔

نوٹ: فی زمانہ نمازوں کے بعد دعاؤں کا جو اس قدر اہتمام والتزام ہونے لگا ہے کہ خود دعا نماز کا حصہ معلوم ہونے لگی ہے، اگر کوئی امام دعا نہ کرے تو وہ لعنت وملامت کا مستحق بنتا ہے، یہ طریقہ درست نہیں، چونکہ یہ اصول اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے کہ غیر واجب کو واجب کا درجہ دے دینا اور اس کا واجب کے مانند اہتمام کرنا یہ اس کے بدعت ہونے کیلئے کافی ہے، اگر کبھی کبھی بغیر اہتمام کے اور التزام کے لوگوں کو سکھلانے کیلئے بعد نماز اس طرح دعا کی جائے تو ٹھیک ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی مواقع سے نماز کے بعد دعا کی ہے، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوا؛ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سنت نہیں تھی، اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہوتی۔

معارف السنن میں ہے: "قد راج فى كثيرٍ من البلاد الدعاء بهيئة

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء فى الاشارة فى الدعاء، ورفع اليدين، حدیث:۹۰۱ ۱۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب التامين على الدعاء، حدیث: ۱۷۳۴۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ابن لہیعہ کے، یہ حسن الحدیث ہیں۔

اجتماعية رافعين أيديهم بعد الصلوات المكتوبة ،لم يثبت ذالك فی عهد النبی ﷺ وبالأخص بالمواظبة ،نعم تثبت الأدعية الكثيرة بعد المكتوبة ؛ ولكنّها من غير رفع الأيدى"(۱)

بہت سے شہروں میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا رواج ہوگیا ہے، عہدِ نبوی میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، خاص کر مواظبت اور پابندی کے ساتھ، ہاں فرض کے بعد بہت سی دعائیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں؛ لیکن بغیر ہاتھ اٹھائے اور انفرادی طریقے پر نہ کہ اجتماعی۔

نماز کے بعد اذکار

نماز کے بعد ذکر اللہ بھی مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے:

﴿268﴾ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے بعد کے اذکار ہیں، جن کا کرنے والا نامراد نہیں ہوگا: "معقّبات لا يخيب قائلهنّ أ و فاعلهنّ دبر صلاة مكتوبة "۳۳/ بار سُبۡحٰنَ اللّٰهِ، ۳۳/ بار اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، ۳۴/ بار اَللّٰهُ اَكۡبَرُ (۲)

﴿269﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳/ بار سُبۡحٰنَ اللّٰهِ، ۳۳/ بار اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، ۳۳/ بار اَللّٰهُ اَكۡبَرُ پس یہ ننانوے ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ۱۰۰ کی تعداد پوری کرنے کیلئے کہے: "لا اله الّا اللّٰه وحده لا شريك له ،له الملك وله الحمد وهو على كلّ شيئٍ قدير" تو اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی، اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں "من سبّح للّٰه فی دبر كلّ صلاة (ذكر العدد مثله) غفرت خطاياه وان كانت مثل زبد البحر" (۳)

﴿279﴾ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص فرض نمازوں کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے وہ دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا: "من قرأ اية الكرسى

(۱) معارف السنن: ۴۰۹/۳

(۲) مسلم: باب استحباب الذكر دبر صلاة مكتوبة، حديث: ۵۹۶

(۳) مسلم : باب استحباب الذكر بعد الصلاة ، حديث: ۵۹۷

فی دبر الصلاۃ المکتوبۃ کان فی ذمّۃ اللّٰہ الیٰ الصلاۃ الأخریٰ "(۱)

﴿271﴾ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی: "لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت" (۲)

اس کے علاوہ بہت سے اذکار فرض نمازوں کے بعد احادیث میں مذکور ہیں، اختصار کی غرض سے اتنا ہی لکھا گیا۔

جس کا وضو نہ رہتا ہو

شریعت کی نظر میں معذور وہ شخص ہے جسے نماز کے پورے وقت میں اتنا وقفہ نہ ملے (پیشاب کے قطرے، ریاح، خون کا نکلنا نہ رُکے) جس میں وضو کر کے طہارت کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور معذور بن جانے کے بعد آئندہ ہر نماز کے پورے وقت میں کم از کم ایک دفعہ وہ عذر پایا جائے، ایسا شخص ہر فرض نماز کیلئے وضو کرے گا اور اُسی وضو سے فرض، واجب، نفل جو چاہے اُس وقت کے اندر پڑھ سکتا ہے۔

کپڑے کی پاکی کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا یقین ہو کہ کپڑا دھونے کے بعد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک نہیں ہوگا تو بالا جماع دھونا ضروری ہے اور اگر دوبارہ ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا ضروری نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۷۴)

---

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر: باب حسن بن علی بن ابی طالب ،حدیث:۲۷۳۳،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔(مجمع الزوائد: باب ما یقول من الذکر والدعاء عقیب الصلاۃ ،حدیث نمبر:۲۸۹۲)

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الاذکار عقب الصلاۃ ،حدیث نمبر:۱۶۹۲۲،عزالدین ابن سلام نے کہا ہے: اس کو نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان اس کو صحیح کہا ہے۔(سبل السلام ، ماورد من آثار فی الدعاء :۱/۳۹۷)

عورتوں کے

طریقۂ نماز کا فرق

عورتوں کے طریقۂ نماز کا کچھ فرق

خواتین کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج یہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں حتی الامکان ستر پوشی اور پردہ کا اہتمام کرے؛ لہٰذا جن احکام واعمال میں بے حجابی، بے پردگی، عورت کے نسوانیت کے ظاہر ہونے کا خدشہ تھا، ان مواقع سے شریعت نے عورت کیلئے علیحدہ احکام دئے ہیں، عورت کو گھر کے اندر کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، جبکہ شوہر کو باہر کے کاموں کے انجام دہی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، مردوں پر جہاد فرض ہے، جبکہ عورت پر فرض نہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے حج کو ہی ان کا جہاد قرار دیا ہے، ایسے ہی جمعہ، عیدین اور جماعت ان پر واجب نہیں ہے، نہ وہ مردوں کیلئے امام ہوسکتی ہیں اور نہ کسی کیلئے مؤذن، ان کا گھر میں نماز پڑھنا ان کے مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر قرار دیا گیا ہے، مسجد میں آنے کی صورت میں ان کی صف سب سے آخری رکھی گئی ہے، پہلے مرد، پھر بچے، اس کے بعد عورتیں کھڑی ہوں گی، دورانِ نماز عورتیں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے ''تصفیق'' کا سہارا لیں گی، (یعنی داہنی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ماریں گی) جبکہ مرد ''تسبیح'' وغیرہ کے ذریعہ امام کو غلطی سے آگاہ کریں گے، دورانِ حج صفا مروہ کی سعی کے وقت مرد ''میلین اِخضرین'' (دوہرے نشان) کے درمیان دوڑیں گے اور عورتیں آہستہ چال چلیں گی، دورانِ طواف مرد حضرات اکڑ کر کاندھوں کو اُچکاتے ہوئے طواف کریں گے اور عورتیں اپنی عام حالت پر اس فریضے کو انجام دیں گی، اس کے علاوہ احرام کے کپڑوں میں مرد کیلئے سلے ہوئے کپڑے کا استعمال درست نہیں، جبکہ عورتیں بطور احرام کے سلے ہوئے کپڑے استعمال کریں گی، شریعت نے جس طرح ان احکام واعمال میں مردوعورت کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت کیلئے زیادہ سے زیادہ ستر وحجاب ہو، اسی طرح دورانِ نماز بھی مردوعورت کے درمیان کیفیت وہیئت کے اسی فرق کو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

خواتین کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اکیلے گھر میں نماز پڑھیں:

﴿272﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز اپنے گھر میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کی چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے: "وصلاة المراة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها" (۱) مطلب یہ ہے کہ عورت جس قدر پوشیدہ ہو کر نماز پڑھے گی اسی قدر زیادہ ثواب کی مستحق ہوگی۔

﴿273﴾ حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز اپنی کوٹھری میں گھر کے بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے، اس کی نماز اپنے گھر کے بڑے کمرے میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کے صحن میں محلے کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے "صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلا تها فی حجرتها، وصلا تها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها فی مسجد قومها".(۲)

﴿274﴾ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حصرت ام حمیدؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو؛ لیکن تمہارا اپنے کمرے میں نماز ادا کرنا صحن میں ادا کرنے سے بہتر ہے، اور اپنے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا اپنے احاطہ میں نماز ادا کرنا اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے:" انّك تحبين الصلوة معی، وصلاتك فی بیتك خیر

---

(۱) ابوداؤد: باب التشدید فی ذلك (فی خروج النساء إلي المسجد) حدیث:۵۷۰، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (خلاصة الأحكام: باب استحباب الجماعة للنساء، حدیث:۲۳۴۸، مؤسسة الرسالة، بیروت)

(۲) المعجم الأوسط: من اسمه مسعدة، حدیث:۹۱۰۱، علامہ منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (الترغیب: کتاب الصلاة، حدیث:۵۱۲) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ''خلا بن مہاجر'' کے؛ چونکہ ابن ابی حاتم نے ان کے بیٹے کے علاوہ ان سے روایت کرنے والے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد، حدیث:۲۱۰۸)

من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجدي" عبداللہ بن سوید انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ام حمیدؓ نے اپنے کمرے کے اندرونی حصہ میں نماز کیلئے ایک جگہ بنالی اوراسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔(۱)

خواتین چہرے، ہاتھ پاؤں کے علاوہ جسم کے سارے اعضاء کو ڈھانک کر نماز ادا کریں:

﴿275﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت سراپا پردہ ہے: "المرأة عورة "(۲)

﴿276﴾ حضرت ام المومنین عائشہؓ بیان کرتی ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتے:" لا تقبل صلاة الحائض الّا بخمارٍ" (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کیلئے سر کے بالوں کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

﴿277﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: " وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" (اور عورتیں نمایاں نہ کریں اپنی زینت کو، مگر وہ جوان کے بدن سے ظاہر ہے) سے مراد وہ زینت ہے جو ہاتھ اور چہرہ کی ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں: "قال: ما في الوجه والكفّ "(۴)

---

(۱) صحیح ابن حبان : باب فرض متابعة الإمام ،حدیث:۲۲۱۷،محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو قوی کہا ہے۔(مجمع الزوائد:باب خروج النساء الى المساجد وغيرها ،حدیث نمبر:۲۱۰۶)، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے عبداللہ بن اسود انصاریؒ کے،ابن حبانؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ثان ماجاء في كراهية الدخول علي المغيبات ،حدیث:۱۱۷۳، امام ترمذی نے اسے "حسن غریب" کہا ہے،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اوراس کے رجال ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد:باب خروج النساء الى المساجد......حدیث:۲۱۱۶)

(۳) ترمذی: باب ماجاء لا تقبل صلاة المرأة الّا بخمارٍ ،حدیث:۳۷۷،امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے ابن حجر عسقلانیؒ نے " بلوغ المرام" میں کہا ہے،ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(بلوغ المرام:۴۲/۱)ابن خزیمہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) السنن الصغرىٰ للبيهقي:باب ستر العورة،حدیث:۳۰۲،صاحب "عون المعبود"فرماتے ہیں اس کو ابوحاتم،بیہقی اوراسماعیل قاضی نے مرفوعاً ابن عباس سے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔(باب في العبد ينظر الى شعر مولاته:۱۰۹/۱۱)

عورتیں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائیں، اسی میں ان کیلئے ستر پوشی ہے:

﴿278﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھاؤ، اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر کرے: "إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها "(۱)

﴿279﴾ عبدربہ بن سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ام الدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں "ام الدرداء ترفع يديها في الصلاة حذو منكبيها " (۲)

﴿280﴾ ابن جریجؒ کا بیان ہے کہ میں نے عطاءؒ سے دریافت کیا کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کی طرح ہاتھ اٹھائے گی (یعنی کانوں کے قریب تک) تو انہوں نے فرمایا: عورت اپنے ہاتھوں کو مرد کی طرح نہ اٹھائے: "وقال لا ترفع يديها كالرجل" (اور پھر عملی تعلیم کی غرض سے) رفع یدین کیا اور ہاتھوں کو نہایت پست اور اپنی جانب سمیٹے رکھا اور فرمایا کہ (نماز میں) عورت کی خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں اور اگر وہ اس ہیئت کو اختیار نہ کرے تو کوئی حرج نہیں، (یعنی عورت کیلئے اولیٰ اور بہتر یہ ہیئت ہے، لازمی وضروری نہیں)۔(۳)

عورتیں ہاتھ سینے پر باندھیں، مردوں کی طرح ناف سے نیچے نہیں:

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو نہیں ملی؛ البتہ فقہاء ومحدثین کی تصریحات سے مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب رفع اليدين في الصلاة، حدیث:۲۵۹۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے وائل بن حجر کے مناقب میں ایک طویل حدیث کے تحت "میمونہ بنت حجر عن عمتها ام یحییٰ بنت عبدالجبار" کی سند سے روایت کیا ہے، میں اس عورت کو نہیں جانتا، اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں، نیچے ذکر کردہ روایت اس روایت کی مؤید ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: باب في المرأة اذا افتتحت الصلاة الى اين ترفع يديها، اس روایت کو امام بخاری نے "جزء رفع الیدین" میں ایسی سند کے نقل کے ہے جس کے رجال صحیح ہیں، امام زیلعی نے امام نووی کے حوالہ سے "نصب الرایہ:۳۱/۲" میں نقل کیا ہے کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

(۳) مصنف ابی ابن شیبة: باب في المرأة اذا افتتحت الصلوة الى اين ترفع يديها؟ ۲۴۸۹، یہ اثر محمد بن بکر کی وجہ سے حسن ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ لکھتے ہیں: "امّا فی حقّ النساء فاتفقوا علی ان السنّة لهنّ وضع الیدین علی الصدور" (۱) رہا عورتوں کے حق میں تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں کیلئے سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں عورتوں کیلئے وہ طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے جس میں اس کیلئے پردہ پوشی زیادہ ہو، چنانچہ محدث بیہقیؒ فرماتے ہیں: "جماع مایفارق المرأة فیه للرجل من أحکام الصلوة راجع الی الستر وهی انما مامورة بکل ما هو أسترلها" اصل بات یہ ہے کہ نماز کے ان احکام کی بنیاد جن میں مرد و عورت میں فرق ہے، پردہ پوشی اور ستر ہے، عورت کو ہر اس کام کا حکم دیا گیا ہے جو اس کیلئے پردہ کا باعث ہو۔ (۲) گویا یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔

حالتِ قیام میں عورتیں دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں ہاتھ پر حلقہ نہیں بنائیں گی؛ بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں گی؛ اس لئے کہ اس میں ستر زیادہ ہے:

﴿281﴾ حضرت عطاؒ سے منقول ہے کہ عورتیں حالتِ قیام میں حتی المقدور ہاتھوں کو سمیٹ کر رکھیں: " تجمع المرأة یدیها فی قیا مها ما استطاعت" (۳)

رکوع کی حالت میں عورتوں کو محض اس قدر جھکنا چاہیے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پھر رکوع میں انگلیوں کو کشادہ کر کے رکھیں، ملا کر نہ رکھیں اور کہنیاں بھی پہلوؤں سے ملی ہوئی نہ ہوں اس لئے کہ رکوع کی اس حالت میں ستر زیادہ ہے :

﴿282﴾ حضرت عطاءفرماتے ہیں: "اذا ركعت ترفع یدیها الٰی بطنها " عورت رکوع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے گی۔ (۴)

---

(۱) السعایة: ۱۵۶/۲

(۲) سنن الکبریٰ للبیهقی: باب من ذکر صلاة وهو فی اخریٰ، تحت حدیث: ۳۰۱۴

(۳) مصنف عبدالرزاق: باب تکبیرة المرأة بیدیها و قیام المرأة وقعودها، ۵۰۶۹ یہ اثر صحیح سند سے مروی ہے۔

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب تکبیر المرأة یدیها وقیام المرأة ورکوعها وسجودها، ۵۰۶۹ یہ سندِ صحیح سے منقول ہے۔

عورتیں سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے اور بازو کو پہلوؤں سے ملا کر رکھیں اور خوب سمٹ کر سجدہ کریں:

﴿283﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے (یعنی پیروں کو بائیں جانب نکال کر بچھا دے اس طرح دونوں رانیں باہم مل جائیں گی) اور جب سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکا لے: "والمرأة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الأخریٰ، فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذ یها کأ ستر ما یکون لها" اس طرح کہ اس کیلئے خوب پردہ پوشی ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب رحمت کی نظر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اُسے بخش دیا۔(۱)

﴿284﴾ یزید بن حبیب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو خواتین پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے کچھ حصہ کو زمین سے ملا کر رکھو کہ عورت اس معاملہ میں مرد کی طرح نہیں ہے: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الأرض، فانّ المرأة لیست فی ذلك کالرجل" (۲)

﴿285﴾ حارث سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت جب سجدہ کرے تو اچھی طرح سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو ملائے: "إذا سجدت المرأة فلتحتفز وتضم فخذیها" (۳)

---

(۱) سنن الکبریٰ للبیهقی باب مایستحب للمرأة من ترك التجا فی فی الرکوع والسجود: حدیث: ۳۰۱۴، بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، علامہ عثمانی "اعلاء السنن: ۳۳/۳" میں فرماتے ہیں: اس کے شواہد موجود ہیں اور محدثین کے اصول کے مطابق شواہد کی وجہ سے ضعیف حدیث کبھی حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

(۲) سنن کبریٰ للبیهقی: باب ما یستحب للمرأة فی ترك التجافی، حدیث: ۳۰۱۶، اس روایت کو ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کیا ہے، بیہقی نے اسے دو سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک میں ایک متروک شخص ہے، پھر بیہقی فرماتے ہیں: اس بارے میں ایک مرسل روایت ہے جو ان دونوں متصل السند روایات سے بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۲۶/۳) لہٰذا جب مرسل کی تائید متصل روایت سے ہو جائے خواہ وہ کمزور ہو تو یہ مرسل تمام ائمہ کے یہاں حجت ہوگی۔ (تدریب الراوی ۱۰۵/)

(۳) مصنف ابن ابی شیبة: باب المرأة کیف تکون فی سجودها، حدیث: ۲۷۹۳، علامہ عثمانی فرماتے ہیں اس روایت کے رجال جماعت کے رجال ہیں سوائے حارث کے یہ سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن شاہین نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے، احمد بن صالح مصری کہتے ہیں: حارث اعور ثقہ ہیں، اور انہوں نے حضرت علی سے کیا ہی خوب روایت نقل کیا ہے، شعبی کہتے ہیں یہ جھوٹے تھے پر اپنی رائے میں نہ کہ احادیث کے بارے میں: اعلاء السنن: ۳۰/۳، گویا یہ حدیث حسن ہے۔

﴿286﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ سمٹ سمٹ کر نماز پڑھے: " تجتمع و تحتفز " (۱)

﴿287﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ عورت کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے؛ تاکہ ان کی سرین اوپر نہ اٹھے اور عورت اپنے اعضاء کو مرد کی طرح ایک دوسرے سے الگ نہ رکھے (بلکہ انھیں ایک دوسرے سے ملا رکھے): " كانت المرأة تؤمر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخديها كيلا ترتفع عجزتها ولا تجافى كما يجافى الرجل "(۲)

﴿288﴾ حضرت لیثؒ مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی کا سجدہ میں اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھنے کو ناپسند کرتے تھے، جیسے عورتیں کرتی ہیں: "انــه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فحذيه اذا سجد كما تصنع المرأة " (۳)

﴿289﴾ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: "المرأة تضطم فی سجودها" عورت سجدہ میں سمٹی رہے گی۔ (۴)

عورتیں دونوں سجدوں کے درمیان اور التحیات پڑھنے کیلئے جب بیٹھیں تو بائیں کولہے پر زمین سے چپک کر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دیں۔

﴿290﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ میں اعضاء کو الگ الگ رکھیں، اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ پست ہو کر سجدہ کریں نیز مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ تشہد میں بایاں پاؤں بچھائیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة :المرأة كيف تكون فی سجودها،۲۷۹۴، یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) سنن الکبریٰ: باب مایستجب للمرأة من ترك التجافی فی الركوع والسجود، ۳۰۱۵ یہ اثر ابراہیم نخعی کا ہے اور یہ بڑے معتبر آدمی ہیں۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبة :المرأة كيف تكون فی سجودها:۲۷۹۶، یہ سند صحیح ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبة :المرأة كيف تكون فی سجودها ،۲۷۹۷اس روایت کے تمام روات اعلیٰ درجہ کے ہیں، البتہ حسن کے واسطہ سے ہشام کی روایتوں میں قدرے کلام ہے، اور یہ روایت حسن ہی کے واسطے سے ہے، تاہم یہاں کلام اس لئے بے اثر ہے کہ روایت کا مضمون دیگر احادیث سے مؤید ہے۔

اور عورتوں کو فرماتے تھے کہ وہ چار زانوں ہو کر بیٹھیں: "وکان یأمر النساء ان ینخفضن فی سجودھن وکان یأمر الرجال ان یفرشوا الیسریٰ وینصبوا الیمنی فی التشھد، ویأمر النساء ان یتربّعن" (۱)

﴿291﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی سجدہ اور تشہد میں مرد وعورت کے درمیان اس فرق کے ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔(۲)

﴿292﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں کس طرح نماز پڑھتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: چہار زانو بیٹھ کر، پھر انھیں حکم ہوا کہ خوب سمٹ سمٹ کر بیٹھیں یعنی اپنے (بائیں) کولہے پر جم کر بیٹھیں " کنّ یتربّعن ثمّ أمرن أن یحتفزن یعنی یستوین جالساتٍ علی أوراکھن" (۳)

خواتین اگر اپنی علیحدہ جماعت قائم کرلیں، تو ان کی امام درمیانِ صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائے، مردوں کے امام کی طرح صف سے آگے نہ کھڑی ہو:

﴿293﴾ ریطہ حنفیہؒ کہتی ہیں: کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عورتوں کی فرض نماز میں امامت کی اور ان کے درمیان کھڑی ہوئیں "أنّ عائشة أمّتھنّ وقامت بینھنّ فی صلاةٍ مکتوبة" (۴)

﴿294﴾ حجیرہ بنت حصینؒ کہتی ہیں: حضرت ام سلمہؓ نے عورتوں کی نماز عصر کی امامت کی تو ان کے بیچ میں کھڑی ہوئیں "أمّتنا ام سلمة فی صلاة العصر فقامت بینھا (۵)

(۱) سنن کبریٰ للبیھقی: باب مایستحب للمرأة من ترك التجافی فی الركوع والسجود، حدیث:۳۰۱۴، یہ حدیث عطاء کی وجہ سے بہت ضعیف ہے۔

(۲) مصنف عبد الرزاق: حدیث:۵۰۶۸۴، تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(۳) جامع المسانید:۱/۴۰۰، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ سند صحیح ہے، پھر انہوں نے اس کے صحیح ہونے پر لمبا کلام کیا ہے۔(اعلاء السنن:۳/۲۷)

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب المرأة تؤم النساء، حدیث:۵۰۸۶، اس کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، نووی نے "الخلاصہ" میں اسے صحیح کہا ہے۔(نصب الرایة: باب الامامة:۲/۲۱، دار الحدیث، مصر)

(۵) مصنف عبد الرزاق: باب المرأة تؤمّ النساء، حدیث:۵۰۸۲ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو دارقطنی اور بیہقی نے صحیح سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(خلاصة الأحكام، فصل في ضعيفه، حدیث:۳۵۸) اس کو ابن ابی شیبہ اور امام شافعی نے روایت کیا ہے، نووی نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے، علامہ زیلعی نے یہ بات "نصب الرایہ" میں کہی ہے۔(نصب الرایہ: باب الإمامة:۲/۲۱)

عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی:

﴿295﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت امامت نہ کرے: "لا تؤمّ المرأة" (۱)

عورتوں پر اذان واقامت نہیں ہے :

﴿296﴾ نافعؒ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: عورتوں پر اذان ہے اور نہ اقامت "لیس علی النساء أذان ولا اقامة "(۲)

ایسے ہی یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(۳)

اپنے امام کے سہو اور غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے خواتین آواز سے تسبیح نہ پڑھیں؛ بلکہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر تھپ تھپادیں۔

﴿297﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں (سہو کے موقع پر) تسبیح مردوں کیلئے اور تصفیق عورتوں کیلئے ہے۔(۴)

نوٹ: بعض لوگ عورتوں اور مردوں کے نماز کے درمیان فرق کے نہ ہونے کو اس روایت کے عموم سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں: "صلوا کما رأیتمونی أصلی" تم نے مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس طرح نماز پڑھو(۵) اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز پڑھی ہے اسی طریقہ پر نماز پڑھنا چاہیئے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب اور حکم پوری امت کو ہے، جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی داخل ہیں اور مرد وعورت کی نماز میں تفریق کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف لازم آتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جیسے میں نے تم کو تعلیم دی ہے، ویسے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه : باب من کره أن تؤمّ المرأة ،علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا:اس کے تمام رجال (راوی) ثقہ قابلِ اعتماد ہیں اور اس کی سند صحیح ہے: اعلاء السنن:۴/۲۱۵

(۲) مصنف ابن عبد الرزاق : باب هل علی المر أذان واقامة ،حدیث:۵۰۲۲،علامہ حجر نے فرمایا ہے:اس حدیث کو بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ موقوفا روایت کیا ہے۔(التلخیص الحبیر : باب الأذان ، حدیث:۳۱۲)

(۳) مصنف عبدالرزاق: باب هل علی المرأة أذان واقامة،۵۰۲۴

(۴) مسلم: باب تسبیح الرجل وتصفیق المرأة اذا نابهما شیئٌ فی الصلاة، حدیث:۴۲۲

(۵) بخاری: کتاب الأذان:۸۸

نماز پڑھو، مردوں کو جیسے تعلیم دی ہے، وہ اسی طریقہ پر نماز پڑھیں اور عورتوں کو جس طرح تعلیم دی ہے ،وہ اسی کے مطابق نماز ادا کریں؛ ورنہ اس حدیث کا کیا جواب ہوگا، جس میں آپ ﷺ نے خود فرمایا ''عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے'' نیز ان احادیث کا کیا ہوگا جو اوپر ذکر کی گئی ہیں؟

اگر اس کا ظاہری مطلب ہی مراد لیتے ہیں تو ایسے ہونا چاہیے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے سارے لوگ اس روایت پر عمل کرتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے کہیں ،اور جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ بھی زور سے پڑھیں، اور اس کے بعد کی سورت بھی پڑھیں اور بلند آواز سے پڑھیں؛ کیونکہ آپ نے بھی ایسے ہی نماز پڑھی ہے، اس کا یہ مطلب کسی نے نہیں لیا۔

جس طرح یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو تکبیر بلند آواز سے اور قرأت زور سے اس وقت کرتے تھے ،جبکہ آپ ﷺ اِمام ہوتے اور اسی کے مطابق امام کو کرنا چاہیے اور مقتدی ہونے کی حالت میں آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اس لئے مقتدی کو اس کی اجازت نہیں ہوگی ،خود اس تاویل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تعلیم دی گئی ویسے نماز پڑھو، نہ یہ کہ جیسا مجھ کو دیکھتے ہو ویسا کرو۔

مرد وعورت کے نماز کے فرق کا انکار کرتے ہوئے یہ اثر بھی پیش کیا جاتا ہے، جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت مکحول سے نقل کیا ہے کہ ''ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ بڑی فقیہ تھیں۔'' (۱)

اس کا جواب یہاں تو یہ ہے کہ یہ ام درداء صحابیہ نہیں ہیں، یہ ایک تابعیہ بزرگ خاتون ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں کہا ہے۔

لہٰذا اُن کا یہ عمل دیگر مجتہدینؒ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں قابلِ حجت و دلیل نہیں ہوسکتا، ان کا یہ قول نہ صرف مجتہدین اور صحابہ کے عمل کے خلاف ہی نہیں، حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف بھی ہے جیسا کہ فرق کے بارے میں روایات گذریں، البتہ یہ حضرت ام درداء بڑی فقیہ اور نیک خاتون تھیں اس لئے ان کے اس عمل کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اس طرح کسی عذر کی بناء پر کیا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مکحول کا یہ کہنا کہ وہ مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں تو ممکن ہے کہ

---

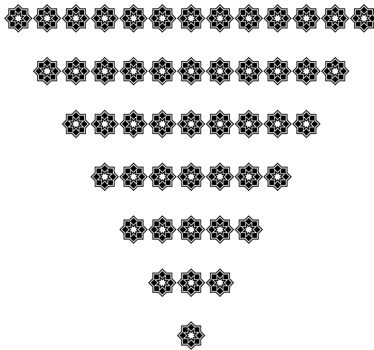
(۱) بخاری، باب سنة الجلوس فی التشهد، حدیث:۷۹۳

اس سے ان کی مراد بعض کیفیتوں میں مرد کی طرح بیٹھنا ہو جیسا کہ بعض ائمہ کا مسلک ہے، جیسے امام شافعیؒ کے نزدیک آخری قعدہ میں مرد وعورت دونوں اس طرح بیٹھیں کہ دونوں پیر داہنی طرف نکالدیں گے، سرین کے بل زمین پر بیٹھیں گے، اس کے باوجود بعض کیفیتوں میں دونوں کے درمیان فرق کو انہوں نے کہا ہے، رکوع وسجدے کے فرق کو انہوں نے تسلیم کیا ہے، تو جس طرح امام شافعیؒ کے یہاں مرد وعورت کے بیٹھنے کا طریقہ ایک ہونے کے باوجود بعض کیفیتوں میں ان کے یہاں بھی فرق ہے تو ممکن ہے حضرت ام درداء کا مسلک بھی یہی ہو۔

مرد وعورت کی نماز کے اس فرق کو چاروں ائمہؒ نے تسلیم کیا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے ''کتاب الأم'' میں عورت کیلئے نماز میں رکوع سجدہ اور جلسے وغیرہ میں فرق کے ملحوظ ہونے کو بتلایا ہے۔(۱)

ایسے ہی امام مالکؒ کے یہاں بھی اس فرق کو پیش نظر رکھنے کی بات کہی ہے؛ چنانچہ اس کیلئے ملاحظہ ہو۔(۲)

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی نے بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنے کی بات کہی ہے، مذکورہ بالا امور میں اس فرق کی بات (۳) میں دیکھ لیا جائے۔



(۱) کتاب الأم للامام الشافعی: ۱/۱۱۵

(۲) شرح الرسالة علی هامش کفایة الطالب الربانی: ۱/۲۱۷

(۳) الروض المربع: ۱۸۳

محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ ہے

محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت (جماعتِ ثانیہ) کروانا مکروہ ہے؛ کیونکہ اگر جماعت کی جائے گی تو جماعت کا اہتمام ہی فوت ہوجائے گا؛ چونکہ مقصود یہ ہے کہ جماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور تکرار جماعت سے جماعت کے مختصر ہونے کا اندیشہ ہے، حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا وہ جماعت کے چھوٹ جانے پر تنہا تنہا نماز ادا کرتے۔

﴿298﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو نماز میں شریک نہ پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ کسی سے کہہ دوں کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگا کر ان کے گھروں کو جلا دیں، ان میں سے کوئی شخص یہ جان لے کہ اسے موٹی تازہ ہڈی ملے گی تو وہ ضرور آئے گا"

ثمّ اخالف الی رجالٍ یتخلفون عنها فأمر بهم فیحرقوا علیهم بحزم الحطب بیوتهم،ولو علم أحد هم أنّه یجد عظمًا سمینًا یشهدها یعنی صلاة العشاء (۱)

اس روایت سے پتہ چلا کہ اگر جماعتِ ثانیہ (دوسری جماعت) میں کراہت نہ ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جماعتِ اولیٰ میں شریک نہ ہونے والوں پر اس قدر غم وغصہ کا اظہار نہ فرماتے؛ چونکہ ان کیلئے جماعتِ ثانیہ کا ملنا ممکن ہوتا اس کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ضرورت کے موقع سے محلّہ کی مسجد میں جماعت کروانے کا ذکر نہیں ملتا؛ بلکہ ایک موقع سے کسی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے جماعتِ ثانیہ نہیں کروائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر چلے گئے اور گھر والوں کو اکھٹا کر کے نماز پڑھی۔

﴿299﴾ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے اطراف سے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر چلے گئے، اور گھر والوں کو اکھٹا کر کے نماز پڑھائی" فوجد

---

(۱) مسلم: باب فضل صلاة الجماعة، حدیث:۶۵۱

الناس قد صلّوا، فمال الی منزله، فجمع أهله فصلی بهم " (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جماعتِ ثانیہ میں شرکت کو مکروہ و ناپسندیدہ سمجھا۔

﴿300﴾ حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں موضع بلاط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، آپؓ نے فرمایا: میں نماز پڑھ چکا ہوں، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ تم ایک نماز دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو "انی سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تصلوا صلاة فی یوم مرتین" (۲)

﴿301﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت علقمہؒ اور اسودؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں آئے، لوگوں نے ان کا استقبال کیا، اس حال میں کہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کو لے کر ایک گھر چلے گئے، ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی " فاستقبلهم الناس قد صلّوا، فرفع بهما الی البیت، فجعل احدهما عن یمینه و الاٰخر عن شماله ثم صلّی بهما" (۳)

﴿302﴾ حضرت عبدالرحمٰن بن مجبرؒ فرماتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہؒ کے ساتھ (نماز پڑھنے کیلئے) مسجد جحفہ گیا، لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے، لوگ کہنے لگے: آپ جماعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ حضرت سالمؒ نے فرمایا: ایک مسجد میں ایک نماز کی دو دفعہ جماعت نہیں کروائی جا سکتی "لا تجمع صلاة واحدة فی مسجد مرتین" ابن القاسمؒ کہتے ہیں: مجھے ابن وهبؒ نے بہت سے اہلِ علم کی طرف سے خبر دی ہے، حضرت ابن شہاب زہریؒ، حضرت یحیٰی بن سعیدؒ، حضرت ربیعہ بن علیؒ اور حضرت لیثؒ کے متعلق اسی عمل کی "اخبرنی رجال من اهل العلم عن ابن شهاب ویحییٰ بن سعید وربیعه مثله" (۴)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فیمن جاء الی المسجد فوجد الناس قد صلوا، حدیث: ۲۱۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) ابوداؤد: باب اذا صلی فی جماعة، ثمّ ادرك جماعة يعيد، حدیث: ۵۷۹، حافظ ابن حجر "تلخیص الحبیر: ۲۵۶/۱، کتاب التیمم" میں فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب الرجل يؤم الرجلين والمرأة، حدیث: ۳۸۸۳ یہ سند صحیح ہے۔

(۴) المدوّنة الكبرى لمالك: ۹۰/۱، اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں، ہمیں یاد ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فوت ہوگئی تھی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود اکیلے نماز پڑھی تھی؛ حالانکہ وہ جماعت ثانیہ کروانے پر قادر تھے، ایسے ہی کچھ لوگوں کی جماعت سے نماز رہ گئی تو وہ مسجد میں آئے، اور ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی تھی؛ حالانکہ وہ بھی قادر تھے کہ مسجد میں جماعتِ ثانیہ کروالیں؛ لیکن پھر بھی ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی اور انہوں نے جماعت کروانے کو اس وجہ سے مکروہ سمجھا کہ وہ مسجد میں دو مرتبہ جماعت کروانے کے مرتکب نہ ہوں: "فصلى كلّ واحدٍ منهم منفردًا، وانّما كرهوا لئلا يجمعوا في مسجد مرتين" نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اہل محلّہ کیلئے تکرار جماعت کو اس وجہ سے ناپسند کرتا ہوں کہ یہ ایسا کام ہے جو ہمارے اسلاف (صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، وتبع تابعینؒ) نے نہیں کیا؛ بلکہ بعض نے تو اسے معیوب سمجھا ہے۔(۱)

پھر ایک جگہ امام شافعیؒ نے جماعتِ ثانیہ کی کراہت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس میں اجتماعیت اور مسلمانوں کا اتحاد مفقود ہوجاتا ہے، جو جماعت کے ساتھ نماز کا اصلی مقصود ہے، جان بوجھ کر لوگ امامِ مسجد کے ساتھ باجماعت نماز کی ادائیگی کو چھوڑ کر بعد میں آکر دوسری جماعت سے نماز پڑھنے لگیں گے۔

جماعتِ ثانیہ کے جواز پر یہ جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے بعد (جماعت ہونے کے بعد) آیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص اس کے ساتھ نماز پڑھ کرنے کی تجارت کرے گا، تو ایک شخص کھڑے ہوئے، اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔(۲)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے قوی ضرور ہے، مگر اس سے جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال اس واسطے درست نہیں ہے کہ یہاں پر نفل پڑھنے والے نے فرض پڑھنے والے کی اقتداء کی ہے، اس کے جواز سے کسی کو انکار نہیں، بات یہ ہے کہ کوئی فرض پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟

ایک دوسری روایت بھی پیش کی جاتی ہے جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ حضرت

---

(۱) کتاب الأمّ :۱/۱۸۱،دار الفکر للطباعة والنشر

(۲) ترمذی: باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صلى فيه،حدیث:۲۲۰،

انس رضی اللہ عنہ اس مسجد میں تشریف لائے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ہو چکی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔(۱)

جماعتِ ثانیہ کے جواز پر اس روایت سے استدلال اس طرح درست نہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ باجماعت نماز کسی راستے کی مسجد میں پڑھی ہو جس میں کوئی امام یا مؤذن مقرر نہ ہو، مسندِ ابویعلٰی میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجدِ ثعلبہ تھی اور اس نام سے معروف کوئی مسجد مدینہ میں نہیں تھی(۲) یہ اس وجہ سے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہ صرف جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے؛ بلکہ نماز سے پہلے اذان واقامت بھی کہی ہے، جس کی اجازت جماعت ثانیہ کے جواز کے قائلین بھی نہیں دیتے۔

اوپر کے روایات کو ملحوظ رکھ کر جماعت ثانیہ کے حوالے سے فقہاء کی ذکر کردہ تفصیل ملاحظہ کی جائے:

(الف) ایسی مسجد جس میں کوئی امام یا مؤذن مقرر نہ ہو، جیسا کہ ویران، غیر آباد مقامات میں ہوا کرتا ہے، تو وہاں اذان واقامت کے ساتھ بھی مکرر جماعت کی جاسکتی ہے۔(۳)
اگر مقررہ امام ومؤذن ہو تو اذان واقامت کے ساتھ دوسری نماز مکروہ ہے۔

(ب) اگر دوسری جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ ہوں، تب بھی مکروہ نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔(۴)

(ج) امام ابوحنیفہؒ کے ممتاز شاگرد قاضی ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی ہیئت پہلی جماعت سے مختلف ہو تو اس صورت میں بھی بغیر اذان واقامت کے دوسری جماعت کی جاسکتی ہے، ہیئت کے مختلف ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ پہلی جماعت مسجد کے جس حصے میں ہوئی ہے اس حصہ سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے، اسی پر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے۔(۵)

بہر حال اہل محلّہ کو مذکورہ بالا روایات کے پیش نظر بار بار جماعت سے بچنا چاہئے، ورنہ جماعت کی اہمیت لوگوں کے دل سے رخصت ہو جائے گی، اور لوگ سستی اور کسل مندی میں مبتلا ہو جائیں گے اور گمراہ فرقوں کے لوگ مسجد کے متعینہ امام کو چھوڑ کر اہلِ حق کی مساجد میں الگ جماعتوں کا رِواج شروع کر دیں گے۔ اتفاقاً دوسری جماعت کرنے میں مضائقہ نہیں، اسی طرح مسافروں کیلئے بھی جماعتِ ثانیہ کی گنجائش ہے۔

---

(۱) بخاری: باب فضل صلاۃ الجماعۃ، فوق الحدیث: ۶۴۵

(۲) فتح الباری:۱۰۹/۲ (۳) رد المحتار:۶۴/۲ (۴-۵) کبیری:۵۷۰

نمازِ وتر

نمازِ وتر واجب ہے، آنحضرت ﷺ نے مختلف روایات میں حق اور واجب کے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اور اس کے قضاء کی جو تاکید کی ہے، اور بغیر کسی عذر کے اس کو بیٹھ کر اور سواری پر اس کو پڑھنے کی ممانعت اور دیگر طریقے سے اس کے اہتمام وفضیلت کو جو بیان کیا گیا ہے، یہ اس کے واجب ہونے کو بتاتا ہے؛ لہٰذا اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا۔

﴿303﴾ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں امداد پہنچائی ہے یا تمہارے لئے ایک نماز زائد عطا کی ہے، جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے، "انّ اللہ امدّکم بصلاۃ ھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر" (۱)

﴿304﴾ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سو گیا، یا بھول گیا، تو جب صبح ہو جائے یا جب اُسے یاد آئے تو اس کو پڑھے "من نام عن وترہ أو نسیہ فلیصلّہ اذا أصبح أو ذکرہ" (۲)

﴿305﴾ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وتر (حق) واجب ہے "الوتر حقٌ واجبٌ" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب استحباب الوتر، حدیث:۱۴۲۰، مستدرك حاكم: كتاب الوتر، حدیث:۱۱۴۸، حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح السند ہے، شیخین نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی ہے، ذہبی نے تلخیص میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، حاکم نے اسے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب فی الدعاء بعد الوتر، حدیث:۱۴۳۳، مستدرك حاكم: كتاب الوتر، حدیث:۱۱۲۷، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذھبی نے اسے "تلخیص" میں شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے۔

(۳) سنن دارقطنی: باب الوتر بخمس أو بثلاث أو باکثر من خمس، احمد اور ابن حبان نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، لفظ "واجب" یہ اصحاب "سنن" کے پاس نہیں ہے "تعلیق المغنی" میں ہے: اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں اور یہ روایت ابوداؤد کے یہاں بھی ہے۔ (التلخیص الحبیر، باب صلاۃ التطوع، حدیث:۵۰۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

﴿306﴾ رواه ابوداؤد هذه الرواية بألفاظ تزيد: "فليس منا "عن عبد الله بن بريدة عن ابيه عن النبی ﷺ" (۱) ابوداوَدؒ نے اس روایت کو ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے،" فليس منا" وہ ہم میں سے نہیں۔

﴿307﴾ حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا کہ وتر واجب ہے؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھی اور مسلمان بھی پڑھتے رہے،"فقال عبد اللـه بن عمر: قد أوتر رسول الله ﷺ وأوتر المسلمون" امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ ﷺ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہی فرماتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھی اور مسلمان بھی پڑھتے رہے "قال فجعل الرجل يُردّد عليه وعبد اللـه بن عمر رضى اللـه عنهما يقول: أوتر رسول الله ﷺ وأوتر المسلمون" (۲)

رکعاتِ وتر

نمازوں میں کوئی بھی نماز دو رکعتوں سے کم نہیں، بلکہ اس سے زائد ہے، اسی طرح وتر بھی کم از کم تین ہیں، جیسا کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

﴿308﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے گھر میں یعنی اپنی خالہ امُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں رات گذاری ،حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے ،مسواک کیا ، وضو فرمایا، اور سورہ اٰل عمران کے آخری رکوع کی آیات تلاوت فرمائیں، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا

---

(۱) ابوداؤد: باب فيمن لم يوتر ، حدیث:۱۴۱۹،علامہ نیموی نے کہا ہے:اس کو دارقطنی اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، یہ روایت ''ابوداوٗد'' میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، یہ بات عراقی نے کہی ہے۔(التعليق الحسن مع اثار السنن:۳۰۳،باب ما استدل به على وجوب الوتر)

(۲) مؤطامالك: باب الأمر بالوتر، حدیث:۴۰۳،حاکم نے اسے ''مستدرک'' میں صحیح کہا ہے،علامہ نیموی فرماتے ہیں:اس کی سند حسن درجہ کی ہے: اٰثارالسنن:۳۰۱، باب ما استدل بہ علی وجوب الوتر حافظ نے ''بلوغ المرام'' میں کہا ہے:اس کو ابوداوٗد نے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں لین ہے حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، احمد کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کا ایک ضعیف ''شاہد'' بھی موجود ہے منذری کہتے ہیں : اس کی سند میں عبد اللہ بن عبدالمنیب العتکی ہیں، انہیں ابن معین نے ''ثقہ'' اور ابو حاتم نے ''صالح الحدیث'' کہا ہے، کمافی العون المعبود.

فرمائی، بہت طویل قیام کیا، اسی طرح رکوع اور سجود بھی طویل فرمایا، بعدہ آپ ﷺ سو گئے، یہاں تک آپ ﷺ گہری نیند آگئی، پھر آپ ﷺ نے یہ عمل تین مرتبہ کیا اور پھر مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے اور ہر مرتبہ ''سورہ آل عمران'' کی آیات تلاوت فرماتے، یہ چھ رکعات ہوئیں، (پہلی دو لمبی رکعت بھی اس کے ساتھ ملائی جائیں تو یہ جملہ آٹھ رکعات ہوئیں)'' ثم اوتر بثلاث'' پھر آپ ﷺ نے تین رکعات وتر ادا فرمائی۔(۱)

﴿309﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھتیجے ابو سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز کے متعلق دریافت کیا تو ام المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے، پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، ان کے حسن اور لمبائی کی بارے میں کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تھے، ان کے حسن اور لمبائی کے بابت کچھ نہ پوچھو، پھر تین رکعات (وتر) پڑھتے تھے '' ثمّ یُصلّی ثلاثاً '' (۲)

﴿310﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو پہلے آٹھ رکعت پڑھتے تھے، پھر تین رکعات وتر پڑھتے، پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے تھے: ''کان رسول اللہ ﷺ یُصلّی من اللیل ثمان رکعات ویوتر بثلاثٍ و یصلّی رکعتین قبل صلاۃ الفجر'' (۳)

﴿311﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری رکعت میں ''قل یا ایّھا الکفرون'' تیسری رکعت میں ''قل ھواللہ احد'' اور کبھی معوذتین پڑھتے تھے ''کان النبی ﷺ یوتر بثلاثٍ یقرأ فی اوّل رکعةٍ (۴)

---

(۱) مسلم: باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامه، حدیث:۷۶۳

(۲) مسلم: باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی، حدیث:۷۳۸

(۳) نسائی: باب ذکر الاختلاف علی حبیب بن ثابت فی حدیث ابن عباس فی الوتر، حدیث:۱۷۰۸، حافظ نے ''تلخیص'' میں کہا ہے: عقیلی نے اس کی سند کو صالح کہا ہے، ''نصب الرایہ'' میں ہے: نوویؒ نے ''خلاصہ'' میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے، عراقی اور علامہ نیموی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۴۵/۶)

(۴) ترمذی: باب ماجاء فیما یقرأ به فی الوتر، حدیث:۴۶۳، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (آثار السنن: ۳۱۸، باب الوتر بثلاث)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:" والذی اختاره اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم أن یقرأ بسبّح اسم ربك الأعلی، وقل یا ایّها الکفرون، قل هو اللّٰه احد، یقرأ فی کلّ رکعة من ذلك بسورةٍ " کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تین رکعت وتر پسند تھے، آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے جمہور اہلِ علم کا پسندیدہ عمل یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں "سبّح اسم ربّك الأعلی" دوسری رکعت میں "سورة الکفرون" اور تیسری میں "سوره اخلاص" پڑھی جائے۔

﴿312﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں "سبّح اسم ربّك الاعلی" پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں "قل یا ایّها الکفرون" اور تیسری رکعت میں "قل هو اللّٰه احد" اور آپ ﷺ وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے، سلام اخیر میں پھیرتے تھے، اور سلام کے بعد تین دفعہ "سبحن الملك القدّوس" پڑھتے تھے۔(۱)

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ وتر تین رکعات ہیں، نیز تین رکعات کے جواز پر تمام علماءِ امت کا اجماع ہے، جبکہ ایک رکعت وتر پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، جن روایات میں ایک رکعت کا ذکر ہے، وہ مؤوّل ہیں یعنی ایک رکعت جو دو کے ساتھ ملائی جائیں۔

وتر میں ایک سلام

وتر کی تینوں رکعات میں صرف ایک ہی سلام آخر میں ہے :

﴿313﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے "کان لا یسلّم فی رکعتی الوتر" (۲)

﴿314﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے، اور سلام اخیر میں پھیرتے تھے، "یوتر بثلاث لا یُسلّم الّا فی اٰخرهنّ"

(۱) نسائی: باب نوع اٰخر من القرأة فی الوتر، حدیث:۱۷۳۰، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔(اٰثار السنن:۳۱۵، باب الوتر بثلاث رکعات)

(۲) نسائی: باب کیف الوتر بثلاث، حدیث:۱۶۹۹ علامہ نیموی فرماتے ہیں اس کو نسائی اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اٰثار السنن:۳۱۶، باب الوتر بثلاث رکعات)"مختصر کتاب الوتر للمقریزی" میں ہے: اس کی سند صحیح ہے، حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔(کتاب الوتر، حدیث:۱۱۳۹)

اوریہی طریقہ وتر کا امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تھا،" و ھذا وتر أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب" (۱)

﴿315﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو رکعت ہوتی ہے، پھر جب تمہارا فارغ ہو جانے کا ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنادے گی،"صلاۃ اللیل مثنی مثنی فاذا أردتّ أن تنصرف فارکع رکعة توتر لك ما صلّیت" حضرت قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ وتر تین ہی پڑھتے تھے "قال القاسم : رأینا أناسًا منذ أدرکنا یوترون بثلاث" (۲)

﴿316﴾ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"الصلاۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعة " ہر نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔(۳)

مطلب یہ ہے کہ ہر نماز کی دوسری رکعت میں التحیات اور تشہد ہے؛ لہٰذا وتر میں اس عمومی قاعدہ کے تحت تشہد اور التحیات ضروری ہوگا، مزید اس عمومی قاعدہ کے تحت ایک رکعت وتر علیحدہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

﴿317﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کی نماز دن کی وتر ہیں، تم رات کی نماز کو وتر بناؤ،"صلاۃ المغرب وتر النھار، فأوتروا صلاۃ اللیل" (۴)

﴿318﴾ اس حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں: الوتر ثلاث کوتر النھار صلاۃ المغرب" وتر کی تین رکعات ہیں، دن کی وتر مغرب کی طرح۔(۵)

---

(۱) مستدرك حاکم: کتاب الوتر ،حدیث:۱۱۴۰،حاکم نے اس روایت کے بارے میں خاموشی اختیار کیا ہے، زیلعی نے"نصب الرایہ" میں کہا ہے: علامہ ذہبی نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے اور یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

(۲) بخاری: باب ما جاء فی الوتر ، حدیث:۹۴۸

(۳) ترمذی: باب التخشع فی الصلاۃ، حدیث:۳۸۵

(۴) معجم اوسط: حدیث:۸۴۱۴،مع تحقیق طارق بن عوض اللہ،"زرقانی علی المؤطا" میں عراقی نے کہا ہے: اس کو ابن ابی شیبہ اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔شعیب الارنوط کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔(مسند احمد : مسند عبد اللہ بن عمر ،حدیث:۴۸۴۷)

(۵) شرح معانی الآثار: حدیث:۱۶۱۳،مع تحقیق زھری النجار ،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن: ۳۱۹،باب الوتر بثلاث)علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔(مجمع الزوائد : باب عدد الوتر ،حدیث:۳۴۵۵)

ان روایات سے پتہ چلا کہ وتر تین رکعت ہے ایک سلام کے ساتھ، جس میں دو رکعت پر قعدہ ضروری ہے، تین رکعت ہونے کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔

﴿319﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد اپنے اس دن کی رہ گئی وتر پڑھنے لگے تو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جمِ غفیر نے آپ رضی اللہ عنہ کی اقتداء کی، راوی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر پڑھائی، صرف اخیر میں سلام پھیرا: "فصلّی بنا ثلاث رکعاتٍ لم یُسلّم الّا فی اٰخرھنّ" (۱)

﴿320﴾ ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابن الزناد نے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعت مقرر کردئے تھے، جن میں صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا تھا، "اثبت عمر بن عبد العزیز الوتر لقول الفقھاء ثلاثًا لم یُسلّم الاّ فی اٰخرھنّ" (۲)

﴿321﴾ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن ابی الزنادؒ نے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اورانہوں نے روایت کی فقہاء تابعین یعنی سعید بن مسیّبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ خارجہ بن زیدؒ، عبید اللہ بن عبد اللہؒ اور سلیمان بن یسارؒ رحمہم اللہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے فقیہ اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں یہ روایت کی کہ یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ ذی رائے اور صاحبِ فضل ہوتا، میں نے جو باتیں ان سے یاد کی ہیں اس طریقہ پر ان میں سے ایک یہ ہے کہ وتر تین رکعات ہیں، سلام فقط آخر میں پھیرا جائے گا۔ (۳)

نوٹ: حنفی کیلئے تین رکعت نماز وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم ہے، لیکن یہ مسئلہ اس وقت دشوار ہوجاتا ہے، جب رمضان میں نماز وتر حرمین میں پڑھی جارہی ہو؛ چونکہ دیگر ائمہ کے مسلک کے مطابق وہاں وتر دو سلام سے پڑھی جاتی ہے، ایسی صورت میں حنفی کیلئے نہ وہاں سے باہر جانے کی کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ الگ سے وتر پڑھنے کی کوئی گنجائش ہوتی ہے کہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ :، باب من کان یوتر بثلاث أو اکثر، ۶۸۹۱ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۱۸، باب الوتر بثلاث)

(۲) شرح معانی الاثار: باب الوتر، ۱۶۲۶، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۲۰، باب الوتر بثلاث)

(۳) شرح معانی الاٰثار: حدیث: ۱۶۲۷، باب الوتر، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ (اثار السنن: ۳۲۰، باب الوتر بثلاث)

اس کی وجہ سے ایک بڑے مجمع سے مخالفت ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی صورت میں حنفی کیلئے دو سلام سے وتر کی گنجائش ہے۔(۱)

دعائے قنوت

وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿322﴾ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ، وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنُؤْمِنُ بِكَ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ، وَنَشْكُرُكَ، وَلَا نَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ، وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ، وَاِلَيْكَ نَسْعٰى، وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ، وَنَخْشٰى عَذَابَكَ، اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ (۲) اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں، اور تجھ ہی سے بخشش چاہتے ہیں، تجھ پر ایمان لاتے اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور تیری ہی بہترین ثناء بیان کرتے ہیں، اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور ناشکری نہیں کرتے اور ہم الگ ہوتے ہیں، اور چھوڑتے ہیں، اس کو جو تیری نافرمانی کرتا ہے، اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اور تیری (رحمت ہی کی) طرف دوڑتے ہیں، ہم تیری بندگی کیلئے حاضر ہوتے ہیں، ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

﴿323﴾ عاصمؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا رکوع کے بعد؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے، "قال: قبل الركوع" تو میں نے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں، آپ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد پڑھتے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اُس نے غلط کہا ہے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی: "أنه قنت شهرًا بعد الركوع"(۳)

یعنی رکوع کے بعد قنوت پڑھنا نوازل میں ہوتا ہے، یعنی جب کوئی حادثہ یا مصیبت مسلمانوں پر آئے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

(۱) انوار المناسك، مؤلف: مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ
(۲) مصنف ابن ابی شیبة : باب فی قنوت الوتر من الدعاء، حدیث: ۶۹۶۵
(۳) بخاری: باب القنوت قبل الركوع وبعد الركوع، حدیث: ۱۰۰۲

﴿324﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے، "كان يوتر فيقنت قبل الركوع" (۱)

قنوت سے پہلے رفع یدین

قنوتِ وتر سے پہلے رفع یدین ثابت ہے:

﴿325﴾ قنوت وتر میں رفعِ یدین (ہاتھ اٹھانا) کے سلسلے میں امام بخاریؒ اپنے رسالہ "جزء رفع اليدين" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ نقل کرتے ہیں: "انه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر "قل هو الله أحد" ثمّ يرفع يديه، فيقنت قبل الركوع" کہ وہ وتر کی آخری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے، پھر ہاتھ اٹھاتے تھے، اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (۲)

﴿326﴾ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے: "رفع يديه في القنوت" کہ وہ قنوت پڑھتے وقت رفعِ یدین کرتے تھے۔ (۳)

﴿327﴾ حضرت جعفر بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوعثمان نے حدیث نقل کی، فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں قنوت پڑھاتے تھے، آپؓ (قنوت کیلئے) رکوع سے پہلے رفع یدین کرتے، اپنے ہتھیلیوں کو کھولتے اور بازو نکالتے" ثم يقنت بنا عند الركوع، يرفع يديه؛ حتّى يبدو كفّاه ويخرج ضبعيه" (۴)

قنوت رکوع سے پہلے

دعاءِ قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا چاہئے:

﴿328﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ رکوع کے بعد پڑھا جائے یا قرأت سے فارغ ہوکر، آپؓ نے فرمایا

---

(۱) ابن ماجه: باب ما جاء في القنوت قبل الركوع وبعده، حديث:۱۱۸۲، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اثار السنن: ۳۲۵، باب قنوت الوتر قبل الركوع)

(۲) جزء رفع اليدين: ۲۸، اس کی سند صحیح ہے۔ (بدائع الفوائد لابن قيّم: ۱۱۴/۴)، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۲۸، باب رفع اليدين عند قنوت الوتر)

(۳) قرة العينين برفع اليدين في الصلوٰة، حديث: ۹۵، ناشر دارِ ارقم کویت، اسے امام بخاریؒ نے صحیح کہا ہے۔

(۴) جزء رفع اليدين للامام البخاري: ۱۸

قرأت سے فارغ ہوکر "سأل رجل انسًا رضی اللہ عنہ عن القنوت: أبعد الركوع أو عند الفراغ من القرأة، قال: لا؛ بل عند الفراغ من القرأة " (۱)

﴿329﴾ نسائی کی روایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں منقول ہے: "ويقنت قبل الركوع " کہ آپ دعائے قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔(۲)

﴿330﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تو دعائے قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے "انّ رسول الله يوتر، فيقنت قبل الركوع" (۳)

﴿331﴾ حضرت عاصم احول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت (وتر) کے متعلق پوچھا، تو آپؓ نے فرمایا: قنوت تو تھی، میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد، آپؓ نے فرمایا: پہلے، "قلتُ قبل الركوع أو بعده، قال: قبله" حضرت عاصم احول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے آپؓ کی جانب سے یہ خبر دی ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے کہ رکوع کے بعد ہے، آپؓ نے فرمایا: اس نے غلط کہا ہے، یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینے قنوت پڑھی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستّر کے قریب افراد کی ایک جماعت کو جنھیں " قُرّاء " کہا جاتا تھا، مشرکین کی طرف بھیجا تھا- جنہیں شہید کردیا گیا تھا - یہ مشرکین ان کے علاوہ تھے (جن کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعاء کی تھی) ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک (رکوع کے بعد) قنوت پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے بددعاء فرماتے تھے۔(۴)

﴿332﴾ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے "كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع "۔(۵)

---

(۱) بخاری: باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان، حدیث: ۳۸۶۰

(۲) نسائی: ذكر اختلاف الناقلين بخبرابي بن كعب، حدیث: ۱۶۹۹، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ترمذی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۱۴، باب الوتر بثلاث ركعات)

(۳) ابن ماجه: باب ما جاء في القنوت قبل الركوع، حدیث: ۱۱۸۲، علامہ عینیؒ "عمدة القاری، باب القنوت قبل الركوع" میں فرماتے ہیں: نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ابی ابن کعب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

(۴) بخاری: باب القنوت قبل الركوع وبعده، حدیث: ۱۰۰۱

(۵) مصنف ابن ابی شیبه: باب في القنوت قبل الركوع أو بعده، ۶۹۸۳، حافظ نے "درایہ" میں اس کی سند کو حسن کہا ہے، ابن الترکمانی نے "الجوهر النقی" میں اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (تحفة الاحوذی: باب ما جاء في القنوت في الوتر: ۴۶۲/۲)

سنتیں اورنوافل

شب وروز میں پانچ نمازیں تو فرض ہیں، گویا وہ اسلام کے رُکن اور لازمۂ ایمان ہیں، ان کے علاوہ بھی ان نمازوں سے پہلے اور بعد میں دوسرے اوقات میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب وتعلیم نبی کریم ﷺ نے دی ہے، پھران میں سے جن کیلئے آپ ﷺ نے تاکیدی الفاظ فرمائے ہیں، یادوسروں کوترغیب دینے کے ساتھ عملاً جن کا آپ ﷺ نے بہت زیادہ اہتمام فرمایاان کو ''عرفِ عام'' میں ''سنت'' کہا جاتا ہےاوران کے علاوہ کونوافل۔

پھرجن سنتوں کوفرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہران کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جواللہ کے دربارِعالی کی خاص الخاص حضوری ہے،اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پردوچاررکعتیں پڑھ کردل کواس دربار سے آشنااور مانوس کرلیا جائے، اورملأاعلیٰ سےقرب اورمناسب پیدا کرلی جائے۔

اورجن سنتوں یانفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے،ان کی حکمت اورمصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں جوقصوررہ گیا ہو،اس کی تلافی ان کے بعدوالےسنتوں اورنفلوں سے ہوجائے۔

فرض نمازوں کے آگے پیچھے والےسنن ونوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے، دن میں ''چاشت'' اوررات میں ''تہجد'' یہ دراصل اللہ سےقریب ہونے کا ارادہ کرنے والوں کی ترقی دینی اُبھارکاایک خاص ذریعہ اورمخصوص نصاب ہے۔

دن ورات کی بارہ سنتِ مؤکدہ اوران کی فضیلت

سنتِ موکدہ کی تعداد بارہ ہے،جو دوسرے نوافل سے زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں،ان کی تعدادوفضیلت کاذکراحادیث میں آیاہے:

﴿333﴾ امّ المومنین ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن اور رات میں (علاوہ فرض نمازوں کے) بارہ رکعتیں پڑھے؛ اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا، وہ یہ ہیں چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو نمازِ فجر سے پہلے "من صلیّ فی یومٍ ولیلة ثنتی عشر رکعة، بُنی له بیتٌ فی الجنة، اربعًا قبل الظهر، و رکعتین بعدها و رکعتین بعد المغرب ، و رکعتین بعد العشاء ، ورکعتین قبل صلوة الفجر" (۱)

﴿334﴾ حضرت عائشہؓ کی روایت میں "من ثابر علی ثنتی رکعة من السنّة" (جس نے بارہ سنتوں کی پابندی کی) کے الفاظ ہیں، پھر بقیہ تفصیل اسی روایت کے مثل ہے۔(۲)

﴿335﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سنتِ مؤکدہ نمازوں کی تعداد دس رکعت مذکور ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے (اس کا مطلب ظہر کی سنتوں کے تحت بیان کیا جائے گا)۔(۳)

سنتِ فجر

فجر سے پہلے دو رکعت نماز سنت ہے، اور تمام سنتوں سے فضیلت واہمیت کی حامل ہے:

﴿336﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے "رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها" (۴)

﴿337﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں کسی نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے، جتنا کہ فجر کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے "لم یکن النبی ﷺ علی

---

(۱) نسائی : باب ثواب من صلي فی الیوم ،حدیث:۱۷۹۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔(الترغیب : کتاب النوافل:۸۳۹)

(۲) ترمذی: باب ماجاء فیمن صلّی فی یوم ولیلةٍ اثنتی عشرة رکعة من السنة، حدیث:۴۱۴ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔(اثار السنن: ۳۴۱، باب التطوع للصوات الخمس)

(۳) بخاری : باب التطوع بعد المکتوبة، حدیث:۱۱۷۲

(۴) مسلم : باب استحباب سنة رکعتی الفجر ،حدیث:۷۲۵

شیءٍ من النوافل اشدّ تعاھدًا علی رکعتی الفجر" (۱)

﴿338﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا تدعوھما وان طردتکم الخیل" فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، اگرچہ یہ حالت ہو کہ دشمن کے گھوڑے تم روندھ رہے ہوں، یعنی کیسی ہی حالت ہو۔ (۲)

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو طلوعِ آفتاب کے بعد قضا کیا جائے:

﴿339﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں، اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے "من لم یُصلی رکعتی الفجر فلُیصلّھما بعد ما تطلع الشمس" (۳)

﴿340﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے "ونھی عن الصلوۃ بعدالعصر، حتی تغرب الشمس، وعن الصلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس" (۴)

﴿341﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہ جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں، سنا کہ

---

(۱) بخاری : باب تعاھد الفجر ومن سمّاھا تطوعا، حدیث:۱۱۱۶

(۲) ابوداؤد : حدیث:۱۲۵۸، باب فی تخفیفھما، علامہ نیموی فرماتے ہیں اس کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن : ۳۵۲، باب فی تاکید رکعتی الفجر)، احمد اور ابوداؤد نے الفاظ کے اس اختلاف کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے "لا تدعو رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل" عراقی نے کہا ہے: یہ حدیث صالح ہے، اور علقمی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن درجہ کی ہے: اعلاء السنن: ۷/۵ علامہ نووی نے "خلاصۃ الأحکام: باب تخفیفھما، حدیث: ۱۷۹۱" میں فرمایا ہے کہ: ابوداؤد نے اس روایت کی تضعیف نہیں کی ہے اور اس کی سند میں ایک شخص توثیق کے سلسلے میں مختلف فیہ ہیں۔

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس، حدیث:۴۲۳، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن :۳۶۹، باب کراھۃ قضاء رکعتی الفجر قبلطلوع الشمس) مناوی کہتے ہیں کہ: حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فیض القدیر: حرف المیم :۲۲۵/۶، المکتبۃ التجاریۃ ، مصر)

(۴) بخاری: باب الصلوۃ بعدالفجر حتی ترتفع الشمس، حدیث:۵۵۶

رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے "سمعتُ غیر واحد من أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ، منھم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وکان أحبّھم الیّ انّ رسول اللّٰہ ﷺ نھی عن الصلوۃ بعدالفجر" (۱)

﴿342﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل منقول ہے۔(۲)

﴿343﴾ حضرت عمرو بن عبسہ سلمیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز سے منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جب سورج نکلتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اس وقت کفار اُسے سجدہ کرتے ہیں "فانّھا تطلع حین تطلع بین قرنی شیطٰن وحینئذٍ یسجد لھا الکفّار" (۳)

﴿344﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر کی دو رکعت نہ پڑھے تو وہ ان کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے "فیصلّھما بعد ما تطلع الشمس" (۴)

﴿345﴾ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: انھیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سنتیں رہ جاتیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھتے۔(۵)

﴿346﴾ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی فرماتے ہے کہ میں نے قاسم کو یہ کہتے سنا: جب میں ان دونوں کو نہیں پڑھتا ہوں تو اور فجر کی نماز پڑھ لیتا ہوں تو سورج نکلنے کے بعد میں ان کی قضاء کرتا ہوں: "صلّیتھما بعد طلوع الشمس" (٦)

---

(۱) مسلم: باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ، حدیث:۸۲٦

(۲) بخاری: باب لا تُؤدیٰ الصلوۃ قبل غروب الشمس، حدیث:۵۸٦

(۳) مسلم: باب الأوقات التی نھی عن الصلوۃ، حدیث:۸۳۲

(۴) ترمذی: باب اعادتھما بعد طلوع الشمس، حدیث:۴۲۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن:۳٦۹، باب کراھۃ قضاء رکعتی الفجر قبل طلوع الشمس).

(۵) مؤطا مالك: باب ما جاء فی رکعتی الفجر، حدیث:۴۲۲

(٦) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی رکعتی الفجر اذا فاتتہ، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن:۳۷۰، باب کراھۃ قضاء رکعتی الفجر بعد ان......)

فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد اگر قعدہ ملنے کی امید ہو تو پہلے سنت پڑھے، اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے، چونکہ آپ ﷺ نے اسے نہایت ہی موکدہ قرار دیا ہے:

﴿347﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل" فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، اگر چہ یہ حالت ہو کہ گھوڑے تم کو رَوندھ چکے ہوں۔ (۱)

مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ کہ (فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، گر چہ یہ حالت ہو کہ دشمن کے گھوڑے تمہیں رَوندھ چکے ہوں) فجر کی سنت کے نہایت ہی مؤکد اور اس کی بے انتہا اہمیت پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کوئی دشمن کے نرغے میں ہو، تب بھی حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ فجر کی سنت نہ چھوڑے؛ حالانکہ یہ حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بہت سے واجبات کو موقوف کرنے کی اجازت ہے، اس کے مقابل جماعت سنتِ موکدہ ہے، معمولی اعذار مثلاً، بارش، تاریکی وغیرہ کی وجہ سے اس کی اہمیت میں فرق پڑ جاتا ہے، دشمن جس وقت چڑھائی کر رہا ہو تو بدرجۂ اولی اسے چھوڑا جاسکتا ہے اور فجر کی دو رکعات کے حوالے سے حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس سخت حالت میں بھی اسے نہ چھوڑا جائے، جماعت جو کہ معمولی اعذار کی وجہ سے بھی اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اس کے حاصل کرنے کیلئے فجر کی اس قدر مؤکدہ سنت کیسے چھوڑی جاسکتی ہے؟

﴿348﴾ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الّا المكتوبة" جب نماز کی اقامت (تکبیر) کہی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہوتی۔ (۲)

اگر چہ یہ روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے؛ لیکن چونکہ اس کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں اس روایت میں اختلاف ہوا ہے؛ چنانچہ اس حدیث کو جس طرح عمرو بن دینارؒ کے شاگرد زکریا بن اسحاقؒ نے مرفوعاً نقل کیا ہے، اسی طرح ایوب وغیرہ دوسرے پانچ تلامذہ نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے، مگر حماد بن زیدؒ اور سفیان بن عیینہؒ نے اس کو عمرو بن دینارؒ سے موقوف روایت کیا یعنی اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی صحیح میں ذکر ہی نہیں کیا ہے، جبکہ امام ترمذیؒ نے صرف اس پر "حدیثِ حسن" کا فیصلہ کیا ہے، اس

(۱) ابوداؤد: باب فی تخفيفهما، حدیث: ۱۲۵۸، اس سند پر حدیث: ۲۳۸ پر بحث گذر چکی ہے۔

(۲) مسلم: باب كراهة الشروع فى نافلة بعد شروع المؤذن فى اقامة الصلاة، حديث: ۷۱۰

کے مقابل اوپر کی مذکورہ روایت مرفوع اور قابل استدلال ہیں؛ اس لئے دونوں روایتیں قوت میں برابر ہوئیں، ان دونوں کے درمیان عمل کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ فرض نماز شروع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ دیگر سنن میں اگر فرض کی ایک رکعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو مشغول رہنا مکروہ ہوگا ، اس طرح سے فجر کی سنت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی ،اس روایت پر عمل ہوجائے گا، گویا یہ روایت فجر کی سنت کے علاوہ نمازوں کے بارے میں ہے۔

﴿349﴾ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:"عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الّا المكتوبة الا ركعتی الفجر"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اقامت ہوجائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز جائز نہیں، ماسوا فجر کی دو رکعات سنت کے (کہ وہ جائز ہیں)۔(۱)

﴿350﴾ حضرت حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ " كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يصلی الركعتين عند الاقامة "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت دو رکعات پڑھتے تھے۔(۲)

اس بارے میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا کہ وہ بھی فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں بالکل علیحدہ حصہ میں فجر کی سنتوں کی ادائیگی کے بعد جماعت میں شرکت کرتے تھے:

﴿351﴾ عبداللہ بن ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ،فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ستون کے اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کیں، جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے، "جاء ابن مسعود والامام يُصلی الصبح فصلی ركعتين الى سارية ،ولم يكن صلّى ركعتی الفجر" (۳)

﴿352﴾ حضرت مالک بن مغول ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع ؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقی: باب كراهة الاشتغال بهما بعد ما اقيمت، حدیث:۴۳۲۶،علامہ عثمانی اس حدیث پر طویل بحث کے فرماتے ہیں: یہ سند بھی حسن درجہ کی ہے۔(فهذ الاسناد ايضا حسن اعلاء السنن: ۱۰۹/۷)

(۲) ابن ماجه: باب ما جاء فی الركعتين قبل الفجر، حدیث:۱۱۴۷،علامہ عثمانی فرماتے ہیں:اس کے ایک راوی حارث ہیں، بعض لوگوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، دیگر لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے، یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب اذا اقيمت الصلاة هل يصلی غيرها، حدیث:۲۳۹۲علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا، جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی، آپؓ اٹھے اور پہلے دو رکعتیں پڑھیں " قد أقيمت الصلاة فقام فصلّى الركعتين" (۱)

﴿353﴾ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت میں آتے کہ لوگ فجر کی نماز میں صف باندھے کھڑے ہوتے، وہ مسجد کے کنارے دو رکعت ادا کرتے، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے،" انّه كان يدخل المسجد والناس صفوف فى صلاة الفجر ، فيُصلّى الركعتين فى ناحية المسجد ،ثم يدخل مع القوم فى الصلاة " (۲)

﴿354﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی امام کے فجر کی نماز پڑھانے کے وقت دو رکعت سنت ادا فرماتے، پھر شریکِ جماعت ہوتے۔(۳)

﴿355﴾ ابوعثمان نہدیؒ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم فجر کی دو سنت پڑھنے سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آتے، وہ فجر کی نماز میں ہوتے، ہم مسجد کے ایک کنارے دو رکعات سنت پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے،" كنّا نأتى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قبل أن نصلى الركعتين قبل الصبح وهو فى الصلاة فنصلّى فى اٰخر المسجد، ثم ندخل مع القوم فى صلاتهم " (۴)

﴿356﴾ حضرت مسروقؒ کا بھی یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ وہ فجر کی نماز کیلئے جماعت کھڑی ہونے کے بعد آتے اور فجر کی دو سنت انہوں نے نہ پڑھی ہوتی تو وہ فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے۔(۵)

---

(۱) شرح معانی الاٰثار: باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلاة الفجر ،۲۰۴۲علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن :۳۵۸،باب من قال يصلى سنة الفجر عند اشتغال الامام بالفريضة)

(۲) شرح معانی الاٰثار: باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلاة الفجر:۲۰۴۴، مصنف ابن ابى شيبه : حديث:۶۴۸۲،باب فى الرجل يدخل المسجد فى الفجر ،علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(اثار السنن :۳۵۹)

(۳) شرح معانی الاٰثار: باب فى الرجل يدخل المسجد فى الفجر ، حدیث:۲۰۴۰علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، علامہ ہیثمی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔ (اعلاء السنن : ۱۰۰/۷)

(۴) شرح معانی الاٰثار: باب الرجل يدخل المسجد ، والامام فى صلاة الفجر، ۲۰۴۶، مصنف ابن ابى شيبه: باب فى الرجل يدخل المسجد فى الفجر ،۶۴۷۵علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(اثار السنن:۳۶۱)

(۵) مصنف ابن ابى شيبه : ۶۴۷۲،شرح معانی الاٰثار: باب الرجل يدخل المسجد: ۲۰۴۸ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۳۶۲)

﴿357﴾ حضرت سعید بن جبیرؒ امام کے فجر کی نماز پڑھانے کی حالت میں مسجد تشریف لاتے اور مسجد کے دروازے پر دو رکعت سنتِ فجر ادا کرتے ”فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد“ (۱)

﴿358﴾ حضرت حسن بصریؒ (۲) حضرت مجاہد دونوں بھی اسی طرح فتویٰ دیتے تھے۔(۳)

یہ حدیث:”اذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الّا المكتوبة“مخصوص منه البعض ہے، اس حدیث سے فرض اور واجب کی تخصیص کی گئی ہے، یعنی اگر کوئی صاحبِ ترتیب ہے، اس نے عشاء کی نماز یا وتر نہیں پڑھی ،اور فجر کی جماعت شروع ہوجائے تو پہلے فرض اور واجب نماز پڑھنی ضروری ہے،اور جب عام میں ایک مرتبہ تخصیص ہوجاتی ہے تو وہ ظنی ہوجاتا ہے (یقینی نہیں رہتا)اور ظنی ہونے کے بعد معمولی دلیل سے بھی حتی کہ قیاس سے بھی مزید تخصیص ہوسکتی ہے؛ چونکہ حضور ﷺ فجر کی سنتوں کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے،کبھی آپ ﷺ نے اسے ترک نہیں کیا، بہت تاکید فرمائی ؛ اس لئے اس حدیث کے عموم سے فجر کی سنتوں کو بھی خاص کیا گیا،جیسا کہ مذکورہ بالاحضرت ابوہریرہ ﷺ کی روایت”الّا ركعتي الفجر“کہہ کر فجر کی تخصیص کی گئی۔

مذکورہ بالا روایت میں جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنت ادا کرنا اس وقت منع ہے جبکہ یہ جماعت خانہ یعنی جس جگہ جماعت ہورہی ہے وہاں پڑھی جائے ؛ چونکہ یہاں صورۃً جماعت کی مخالفت ہے، اگر سنتیں گھر پر یا مسجد کے دروازے پر (صحنِ مسجد) میں یا مسجد کے باہر پڑھے تو اجازت ہے (اگر کوئی علیحدہ جگہ نہ ہوتو پھر سنت نہ پڑھے، جماعت میں شریک ہوجائے)۔

فجر کے علاوہ دیگر نمازوں کی سنتوں کو جماعت کھڑی ہونے کے بعد نہ صحن میں ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ اصل مسجد میں، وہ اس وجہ سے کہ وہ فجر کی نماز کی طرح مؤکد نہیں ہیں ؛اس لئے جماعت کی نماز چھوڑ کر اس میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں۔

سنتِ ظہر

ظہر سے پہلے چار رکعات ایک سلام سے سنتِ مؤکدہ ہیں اور ظہر کے بعد دو رکعت

﴿359﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر سے پہلے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر:۶۴۷۴

(۲) مصنف ابی شیبہ :۶۴۷۳،علامہ نیموی فرماتے ہیں:اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۳۶۲)

(۳) مصنف ابی شیبہ:۶۴۷۹

چار رکعات اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعت کبھی نہیں ترک کرتے تھے " كان لا يدع اربعًا قبل الظهر، ور كعتين بعد الغداة " (۱)

﴿360﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، " يُصلّي قبل الظهر أربعًا، و بعدها ركعتين " (۲)

ظہر سے پہلے یہ چار رکعات آخر میں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی:

﴿361﴾ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر سے پہلے چار رکعتیں، جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے (چار مسلسل پڑھی جائیں) ان کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، " وأربع قبل الظهر ليس فيهنّ تسليم، تفتّح لهن أبواب السماء " (۳)

بعض روایات میں ظہر سے پہلے دو رکعت کا ذکر ہے، " ركعتين قبل الظهر " (۴)

وقت اگر تنگ ہو تو ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھے، ورنہ چار رکعت پڑھے۔

اگر ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو فرض کی بعد والی دو رکعات سنت ادا کرنے کے بعد فرض سے پہلے والی سنت پڑھ سکتا ہے:

﴿362﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ظہر کی نماز ہونے کے بعد پڑھتے تھے " كان اذا لم يُصلّي أربعًا قبل الظهر صلّاهن بعدها " (۵)

﴿363﴾ حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ظہر سے پہلے

---

(۱) بخاری: ۱۱۸۲، باب الركعتين قبل الظهر.

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الاربع قبل الظهر، حدیث: ۴۲۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی کی حدیث حسن درجے کی ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب الأربع قبل الظهر و بعدها، حدیث: ۱۲۷۰، اَلبانی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۴) بخاری عن ابن عمر: باب الركعتين قبل الظهر؟ حدیث: ۱۱۸۰

(۵) ترمذی: باب اٰخر من ابواب ما جاء فی الركعتين بعد الظهر، حدیث: ۴۲۶، امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۴۲، باب بالتطوع للصلوات الخمس)

چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھے "من حافظ علی أربع قبل الظھر وأربع بعدھا" اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا۔(۱)

ظہر کے بعد چار رکعات پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہ دو رکعات مؤکدہ کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

سنتِ عصر

عصر سے پہلے چار رکعات نفل ہیں:

﴿364﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحم اللّٰہ امرا صلّی قبل العصر اربعًا" اللہ عزوجل اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھے۔(۲)

سنتِ مغرب

مغرب کے بعد دو رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں، پھر دو رکعات غیر مؤکدہ

﴿365﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے تھے، پھر گھر میں تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے تھے،"وکان یُصلّی بالناس المغرب ثم یدخل فیُصلّی رکعتین" (۳)

﴿366﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس شخص نے مغرب کی نماز کے بعد چار رکعات پڑھیں، وہ ایسا ہے جیسا ایک مضبوط کڑے کے بعد دوسرے مضبوط کڑے کو لانے والا ہو (یعنی ایک کام کے بعد دوسرا اچھا کام کرنے والا،"من صلّی اربعًا بعد المغرب کان کالمعقّب عروۃً بعد عروۃٍ "(۴)

---

(۱) ترمذی: باب أخر من باب ما جاء فی الرکعتین بعد الظھر، حدیث:۴۲۷ امام ترمذی نے صحیح غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الأربع قبل العصر، وامام ترمذی نے اسے غریب حسن کہا ہے،"بلوغ المرام" میں ہے: اس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے،"تلخیص" میں ہے: اس کو ابن حبان سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) رواہ مسلم: باب جواز النافلۃ قائمًا و قاعدا، حدیث:۷۳۰

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب صلاۃ التطوع و الامامۃ وابواب متفرقۃ یہ حدیث موسیٰ بن عبیدہ اور ایوب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مسنون نہیں ہے:

﴿367﴾ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مغرب کے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، "ما رأيت احدًا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يُصلّيهما" اور یہ نہ دیکھا کہ کسی نے عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی ہو۔(۱)

﴿368﴾ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھیں " لم يُصل ابوبكر و لا عمر و لا عثمان الركعتين قبل المغرب" (۲)

﴿369﴾ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اَذانوں کے درمیان نماز ہے، سوائے مغرب کے "قال بين كلّ أذانين صلاة الّا المغرب " (۳)

﴿370﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ سے پوچھا کہ کیا آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، سوائے اس کے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں میرے پاس پڑھیں تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ کون سی نماز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھول گیا تھا، وہ میں نے اب پڑھی ہیں: "هل رأيتنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم يُصلّى الركعتين قبل المغرب، فقلن: لا، غير أنّ امّ سلمةؓ قالت: صلّاهما عندى

---

(۱) ابوداؤد: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث:۱۲۸۴ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو حمید الکشی نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۳۴۷، باب التنفل قبل المغرب)

(۲) مصنف عبدالرزاق: باب الرکعتین قبل المغرب، حدیث:۳۹۸۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو محمد بن الحسن نے کتاب الاثار میں روایت کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔(اثار السنن : ۳۴۷، باب من انكر التنفل قبل المغرب)

(۳) كشف الاستار عن زوائد البزار :۳۳۴/۱، علامہ شوکانی نے "الفوائد المجموعة :۱۹/۱، دار الكتب العلمية " میں کہا ہے: حیان بن عبداللہ نے اسے تنہا روایت کیا ہے، یہ مشہور بصری شخص ہیں، علامہ سیوطی نے کہا ہے: فلاس نے جن کی تکذیب کی ہے وہ دوسرے شخص ہیں، انہیں کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے: سچے ہیں، ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے، علامہ کشمیری فرماتے ہیں: یہ حیان بن عبداللہ مصغر ہیں، جو ثقہ ہیں، حیان المکبر کی فلاس نے تکذیب کی ہے۔(العرف الشذی للكشميرى:۲۱۵/۱)

مرّةً ، فسألته ما هذه الصلاة؟ فقال: نسيتُ الر كعتين قبل العصر، فصلّيتها الآن "(١)

وضاحت: ان روایات سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مغرب سے پہلے دو رکعات نماز کا معمول نہیں تھا، جس روایت میں ہر دو اذانوں کے درمیان میں نماز کا ذکر ہے، مذکورہ بالا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مغرب کی نماز کا استثناء کیا گیا ہے، مغرب سے پہلے دو رکعت کو مسنون تو نہیں قرار دیا سکتا؛ البتہ نفل کہہ سکتے ہیں، مغرب سے پہلے دو رکعت مسنون نہ ہونے پر بخاری کی یہ روایتیں صریح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

﴿371﴾ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مغفّل رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ حدیث نقل کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھو، تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے'' اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اسے لوگ سنت بنالیں: "صلّوا قبل المغرب، قال في الثالثة: "لِمَنْ شَاءَ" كراهية أن يتّخذها النّاس سنةً" (٢)

﴿372﴾ حضرت عبداللہ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے عرض کیا، میں آپ کو ابو تمیم کی تعجب انگیز بات سناؤں؟ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دورِ رسالت میں ہم بھی پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا تو اب کیا رکاوٹ پیش آئی؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مصروفیت۔ (٣)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ میں یہ نفل عموماً نہیں پڑھی جاتی تھیں، ورنہ ان کے پڑھے جانے پر کسی کو تعجب نہ ہوتا۔

---

(١) مسند الشاميين: حديث:٢١٠، مع تحقيق: حميدي بن عبد الحميد السلفي، اس روایت کے ایک راوی ''یحییٰ بن ابی الحجاج'' ہیں، ابن معین اور نسائی نے کہا ہے: یہ کچھ نہیں ہے، ابوحاتم نے کہا ہے: یہ قوی نہیں ہیں ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے، ابن عدی نے کہا ہے: ان کی حدیث میں کوئی نقصان نہیں ہے، اس روایت کے ایک دوسرے راوی "عيسى بن سنان القسملي" ہیں، انہیں احمد، نسائی، ابوزرعہ اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے، عجلی کہتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن خراش کہتے ہیں: یہ ''صدوق'' ہیں ابن حبان نے اہیں ثقات میں شمار کیا ہے...... بہر حال ائمۂ جرح و تعدیل کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ روایت ''حسن'' درجہ سے کم نہیں...... خود علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے "على تقدير صحّة هذاالحديث " کہا ہے (کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیتے ہیں)۔ (تحفة الأحوذي : باب ما جاء في الصلاة ،٤٦٨/١)

(٢) بخاري: باب الصلاة قبل المغرب، حديث:١١٢٨

(٣) بخاري: باب الصلاة قبل المغرب، حديث:١١٢٩

سنتِ عشاء

عشاء سے پہلے چار رکعت نفل ہیں، اگر موقع ہو تو پڑھے؛ ورنہ دو پڑھے:

﴿373﴾ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں (ہر اذان و اقامت) کے درمیان نماز ہے، تیسری مرتبہ فرمایا: جو چاہے پڑھے (ضروری نہیں): "بین کلّ اذانین صلاۃ ، ثمّ قال فی الثالثه: لمن شاء "(۱)

اس روایت سے عشاء سے پہلے دو رکعت کا مستحب ہونا ثابت ہوا۔

﴿374﴾ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے بزرگ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات پڑھنے کو مستحب خیال کرتے تھے: "کانوا یستحبّون اربع رکعات قبل العشاء" (۲)

نمازِ عشاء کے بعد دو رکعات سنت مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں:

﴿375﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر (آرام فرمانے کیلئے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار یا چھ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔ (۳)

وتر کے بعد نفل حدیث سے ثابت ہے:

﴿376﴾ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بابت پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "کان یُصلّی ثلاث عشرۃ رکعة، یُصلی ثمان رکعات، ثمّ یوتر، ثمّ یُصلّی رکعتین وھو جالس" آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعات نماز پڑھتے، (پہلے) آٹھ رکعات پڑھتے، پھر وتر پڑھتے، اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت اور پڑھتے۔ (۴)

---

(۱) بخاری: باب بین کلّ اذانین صلاۃ لمن شاء، حدیث:۶۰۱

(۲) مختصر قیام اللیل :۵۷، محمد بن نصر المزوری

(۳) ابوداؤد: باب الصلاۃ بعد العشاء ،حدیث:۱۳۰۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن :۳۴۱، باب التطوع للصلوات الخمس) "نیل الاوطار" میں ہے: اس سند کے رجال ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: ۱۹/۷)، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: اس پر ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے، یہ ان دونوں کے یہاں صحیح ہے، امام نووی نے خلاصہ میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔(نصب الرایة : باب النوافل:۸۷/۲)

(۴) مسلم: باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث:۷۳۸

نمازِ تراویح

نمازِ تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

﴿377﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان (تراویح) کی ترغیب دلاتے تھے، بغیر پختہ طریقے سے حکم دیتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس سے ثواب طلب کرتے ہوئے رمضان میں قیام (تراویح) کرے، اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، "من قام رمضان ایمانًا واحتسابًا غُفر له ما تقدم من ذنبه" (۱)

﴿378﴾ حضرت ابوسلمہؒ اپنے والد عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا: یہ مہینہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے اس میں قیام کو تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے، "وسننتُ لكم قيامه" پس جس نے اس کے روزے رکھے، اور قیام کیا اور ثواب کو طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا، جس طرح کہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (۲)

نمازِ تراویح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

﴿379﴾ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نمازِ تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں مصلی زیادہ ہوگئے تیسری یا چوتھی رات کیلئے مسجد تشریف نہیں لائے اور صبح کو فرمایا: میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا

(۱) مسلم: باب الترغيب فی قيام رمضان وهو التراويح، حديث: ۷۵۹

(۲) نسائی: ذکر اختلاف یحییٰ بن ابی کثیر والنضر بن شیبان فیه، حدیث: ۲۲۱۰، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: نسائی نے سند حسن کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۷/۶۷)

اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر (تمہارے شوق کی وجہ سے) رمضان میں فرض نہ کردی جائے "فلم یمنعنی من الخروج الیکم الّا انّی خشیت أن تفرض علیکم، قال: ذلك فی رمضان" (۱)

جن روایات سے بیس رکعات تراویح معلوم ہوتی ہیں، وہ اس طرح ہیں:

﴿380﴾ انّ رسول اللّٰه ﷺ یُصلّی فی رمضان عشرین رکعةً آپ ﷺ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (۲)

یہ روایت تراویح کے بیس رکعت ہونے پر بصراحت دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کا معمول بھی یہی بتاتا ہے۔

﴿381﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے مہینے میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے: "کان النبی یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر" (۳)

امام بیہقیؒ نے ابوبکر ابن ابی شیبہ کے دادا کی تضعیف کی ہے، اس حوالہ سے ہم نے بات اوپر کی روایت کے تحت کردی ہے۔

﴿382﴾ عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللہ عنہ قال: خرج النبی ذات لیلةٍ فی رمضان فصلی الناس أربعة وعشرین رکعةً و أوتر بثلاثة حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی ﷺ باہر تشریف لائے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چوبیس رکعتیں (۴/عشاء کی اور ۲۰/تراویح کی) پڑھائی اور تین رکعت وتر۔ (۴)

---

(۱) مسلم: باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، حدیث:۷۶۱

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: باب کم یُصلی فی رمضان من رکعةٍ؟ حدیث:۷۷۷۴، مع تحقیق: محمد عوّامہ الحلبی، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں: سوائے ابوبکر ابن ابی شیبہ کے دادا کے جمہور نے انھیں ضعیف کہا ہے، ابن عدی کہتے ہیں: ان کی احادیث صالح ہیں، اور یہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہیں، یزید بن ہارون کہتے ہیں: یہ اپنے دور کے انصاف پسند قاضی تھے "التھذیب" علامہ عثانی فرماتے ہیں: ابراہیم بن ابی حیہ یہ مختلف فیہ ہیں اور یہ حسن الحدیث ہیں، یحیٰ بن معین نے انہیں بڑے ثقہ شخص کہا ہے "اللسان" جو شخص ان سے بھی بہتر ہو وہ کم ازکم حسن الحدیث ہونا چاہئے اور خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کا معمول بھی بیس رکعت کا تھا، اس طرح صحابہ کے عمل سے بھی یہ روایت مؤید ہے؛ اس لئے یہ حدیث صحیح نہیں تو کم ازکم حسن تو ضرور ہونا چاہیے۔ (اعلاء السنن: ۸۲/۷)

(۳) بیهقی: باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، حدیث:۴۳۹۱

(۴) تاریخ جرجانی لابن قاسم حمزه بن یوسف جرجانی: ۲۷۵

تراویح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں

عہدِ صدیقی میں تراویح کا معمول حسبِ سابق رہا، لوگ اپنے طور پر تراویح ادا کرتے رہے، پھر دورِ فاروقی میں رمضان کی تمام رکعتوں میں عشاء کے فرض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت نمازِ تراویح میں مکمل قرآن سننے سنانے کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور یہی معمول حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین اور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کا رہا اور آج تک حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

﴿383﴾ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں متفرق ہیں، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ایسا تھا کہ ایک گروہ اس کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہوگا، پھر آپؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر اکٹھا کر دیا، "فقال عمر رضی اللہ عنہ انّی أری لو جمعتُ هؤلاء علی قارئٍ واحدٍ لکان أمثل، ثمّ عزم فجمعهم علی أبی بن کعب رضی اللہ عنہ" (۱)

﴿384﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان المبارک میں تیئس رکعت (۲۰ تراویح، ۳ وتر) کا اہتمام کرتے تھے، "کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعةً" (۲)

﴿485﴾ یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں: انّ عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر رجلا یُصلّی بهم عشرین رکعة " حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ انہیں بیس رکعات پڑھائے۔ (۳)

﴿386﴾ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن

---

(۱) بخاری: باب فضل من قام رمضان، حدیث:۱۹۰۶

(۲) مؤطا مالك: ما جاء فی قیام رمضان، حدیث:۳۸۰، بیهقی: باب ما رُوی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، حدیث:۴۳۹۴

(۳) مصنف ابن ابی شیبه: باب کم یصلی فی رمضان من رکعةٍ؟ حدیث:۷۶۸۲، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند مرسل، قوی ہے۔ (اثار السنن:۳۹۶، باب فی التراویح بعشرین رکعة)

کعب رضی اللہ عنہ پر اکھٹا کر دیا، آپ ؓ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے، "انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابن کعب رضی اللہ عنہ فکان یُصلی لھم عشرین رکعة " (۱)

﴿387﴾ حضرت عبدالعزیز بن رفیع ؒ فرماتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے اور وتر تین رکعت ۔(۲)

﴿388﴾ حضرت یزید بن رومان ؒ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں رمضان میں تیئیس رکعات پڑھا کرتے تھے (۲۰ر تراویح، ۳ر وتر) " کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة" (۳)

﴿389﴾ " کنّا ننصرف من القیا م علی عھد عمر وقد دنا فروع الفجر کان القیام علی عھد عمر ثلاث وعشر ین رکعة " کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح سے فارغ ہوتے تو فجر کا وقت قریب ہوتا اور قیامِ لیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیئیس رکعت ہوتا تھا (یعنی ۲۰ ر رکعت تراویح اور ۳ ر رکعت وتر) ۔(۴)

﴿390﴾ حضرت اسد بن عمرؒ و حضرت قاضی ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور اس سلسلہ میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، اس کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: تراویح سنت موکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت خود اپنی طرف سے مقرر و متعین نہیں کیں اور نہ وہ کسی بدعت کے ایجاد کرنے والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیس رکعات کا حکم دیا ہے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور کوئی اصل تھی اور ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم تھا: و لم یکن مبتدعًا و لم یأمر بہ الّا عن اصلٍ لدیہ وعھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"(۵)

---

(۱) ابوداؤد: باب القنوت فی الوتر، حدیث:۱۴۲۹"سیر اعلام النبلاء"اور "مجلة البحوث الاسلامیة "میں ہے: اس کی ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور ابن قدامہ نے اسے صیغہ جزم کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یصلی فی رمضان من رکعة ،۷۶۴۷ علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند مرسل قوی ہے: اثار السنن: ۳۹۷، باب التراویح بعشرین رکعة

(۳) موطا مالك : باب ما جاء فی قیام رمضان، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند مرسل قوی ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۶)

(۴) مصنف عبدالرزاق : باب قیام ورمضان: ۷۷۳۳

(۵) مراقی الفلاح مع ھوامشہ: ۲۳۴

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۰ رکعت نہیں بنائے؛ بلکہ وہ تو دورِ نبوت سے چلے آرہے تھے؛ البتہ اس وقت موجود سارے مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے ایک امام کے پیچھے نمازِ تراویح ادا کرنے کی سنت کو انہوں نے جاری کی ہے۔

تراویح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

نمازِ تراویح کے بیس رکعات ہی کا معمول تھا:

﴿391﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور ایک سو سے زائد آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض لوگ شدت قیام سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے "وکانوا یتوکّئون علی عصیھم فی عھد عثمان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام" (۱)

﴿392﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ان کو وتر پڑھاتے تھے" ودعا القراء فی رمضان فأمر منھم رجلاً یصلی بالنّاس عشرین رکعۃ،وکان علی یوتر بھم" (۲)

﴿393﴾ حضرت ابوالحسنا سے روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے "اَنّ علیّاً أمر رجلاً یُصلّی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ (۳)

---

(۱) بیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی رمضان، ۴۳۹۳،علامہ نیموی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے،نووی نے ''الخلاصۃ''ابن عراقی نے ''شرح التقریب''میں اور سیوطی نے ''المصابیح''میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔(التعلیق الحسن: ۳۹۴)

(۲) سنن کبریٰ بیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی رمضان ،۴۳۹۶،علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کے راوی حماد بن شعیب ضعیف ہیں،علامہ عثمانی فرماتے ہیں: یہ اثر حسن درجہ کا ہے؛ چونکہ یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے،اس میں حضرت علی کے بیس رکعت کے حکم کرنے کا ذکر ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۸۰/۷)

(۳) مصنف ابن ابی شیبۃ: کم یصلی فی رمضان من رکعۃ ،۷۷۶۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس سند میں ضعف ہے،چونکہ ''ابوسعد بن المرزبان البقال'' یہ متکلم فیہ ہیں، یہ بیہقی کی روایت ہے ابن ابی شیبہ کی روایت میں البقال کی جگہ عمرو بن قیس ہیں،میرا خیال ہے یہ ''الملائی'' ہیں احمد یحییٰ ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ان کو ثقہ کہا ہے،مسلم نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔(التعلیق الحسن: ۳۹۹)

﴿394﴾ شُتَیر بن شکل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔(۱)

﴿395﴾ امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ آپ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) بیس رکعات پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر " کان یُصلی عشرین رکعة و یوتر بثلاث" (۲)

﴿396﴾ حضرت محمد بن قدامہ حنبلیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات کے معمول کا امام مالک کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: " وَ ھذا کا جماع" اور یہ اجماع کی مانند ہے۔(۳)

تراویح تابعین، تبع تابعین وائمہ کرام رحمھم اللہ کے زمانے میں

﴿397﴾ عن عطاء: أدرکتُ النّاس وھم یُصلّون ثلاثا وعشرین رکعة
حضرت عطاءؒ کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو اس طرح پایا ہے کہ وہ تیئس رکعت تراویح وتر کے ساتھ پڑھتے تھے۔(۴)

﴿398﴾ حضرت سعید بن جبیرؒ رمضان کے مہینہ میں ہماری امامت کرتے تھے اور دو طرح کی قرأت کرتے تھے، رات میں ابنِ مسعود کی قرأت کے مطابق قرأت کرتے، اور پانچ تراویح کی نماز (یعنی ۲۰ ررکعت پڑھاتے) فکان یُصلّی خمس ترویحات (۵)

﴿399﴾ عن نافع بن عمر رضی اللہ عنہ قال:" کان ابن ملیکه رضی اللہ عنہ یُصلی بنا فی رمضان عشرین رکعةً "حضرت نافع بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔(٦)

(۱) سنن الکبریٰ للبیھقی: باب ماروی عدد رکعات القیام فی رمضان، ۴۳۹۵ بیہقی نے کہا ہے: اس روایت میں قوت ہے۔ (۲) مختصر قیام اللیل للمروزی: ۱۵۷

(۳) المغنی لابن قدامة: حکم صلاة التراویح، ۱/۸۳۳ اور یہی بات علامہ قسطلانی شافعی شارح بخاری، ارشادالساری میں فرماتے ہیں۔(ارشادالساری لشرح صحیح البخاری: ۵۱۵/۳۰۱)

(۴) مصنف ابن ابی شیبة: کم یُصلی فی رمضان من رکعة، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔(اثار السنن: ۳۹۷، باب التراویح بعشرین رکعة)

(۵) مصنف ابن ابی شیبه : باب کم یُصلی فی رمضان من رکعة: ۷۷۳ یہ حدیث محمد اور وقاء کی وجہ سے حسن ہے۔

(٦) مصنف ابن ابی شیبه : کم یُصلی فی رمضان من رکعةٍ؟ :۷۷۶۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن: ۳۹۸)

﴿400﴾ عن ابی الخصیب قال:" کان یؤمّنا سوید بن غفلة فی رمضان فیُصلی خمس ترویحاتٍ عشرین رکعةً" ابوالخصیبؒ کہتے ہیں: کہ سوید بن غفلہؒ ہمیں رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (۱)

﴿401﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ) رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (۲۰/رکعات) پڑھتے تھے" أنّ الناس کانوا یصلّون خمس ترویحاتٍ فی رمضان" (۲)

﴿402﴾ حضرت سعید بن ابی عبیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہؒ (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد) رمضان میں لوگوں کو پانچ تراویح (بیس رکعت) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے "ان علی بن ربیعه کان یُصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث " (۳)

﴿403﴾ حضرت ابواسحاقؒ سے مروی ہے کہ حضرت حارث اعورؒ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد) رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو ۲۰/رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے، اور دعاءِ قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے" انّه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ، ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع " (۴)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم ۲۰/رکعات کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، یہی سفیان ثوریؒ اور حضرت ابن مبارکؒ کا قول ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں ایسے ہی پایا ہے کہ وہاں (سب) بیس رکعتیں پڑھتے ہیں:"وقال الشافعی: وهکذا ادرکتُ ببلادنا بمکة یُصلون عشرین رکعة " (۵)

---

(۱) سنن کبریٰ للبیهقی، باب ما جاء فی عدد رکعات القیام فی رمضان، ۴۳۹۵، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۷)

(۲) کتاب الاٰثار للامام ابی حنیفه بروایة ابی یوسف: ۴۱

(۳) مصنف ابن ابی شیبة : کم یُصلی فی رمضان من رکعة، ۷۷۷۲، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۸، باب فی التراویح بعشرین رکعة)

(۴) مصنف ابن ابی شیبة : کم یُصلی فی رمضان من رکعة: ۷۷۶۸

(۵) ترمذی : تحت باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، حدیث: ۸۰۲

خیر القرون کے دور میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک تمام مسلمان عالم کم از کم بیس رکعتوں کے قائل تھے، اور مشرق و مغرب ہر جگہ تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی رہیں، مراکزِ اسلام میں سے مدینہ طیبہ میں خلفائے راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی رہیں، دورِ خلافت کے بعد کم از کم بیس پر عمل رہا، اس سے زیادہ تو پڑھی گئیں؛ لیکن اس سے کم نہیں، آج بھی مدینہ منورہ میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن رباحؒ کے زمانہ تک تراویح بیس رکعات پڑھائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرت عطاءؒ کا اثر گذر چکا، حضرت عطاءؒ کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی، حضرت ابن ملیکہؒ جن کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی وہ یہاں بیس رکعات تراویح ہی پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کے حوالے سے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اور حضرتِ امام شافعیؒ جن کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا ہے، خود امام شافعیؒ چونکہ بیس کے قائل تھے؛ اس لئے ان کے متبعین ہر جگہ بیس پر عمل کرتے ہیں، آج بھی مکہ مکرمہ میں بیس رکعات تراویح پر ہی عمل جاری وساری ہے۔

کوفہ وبصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی تھیں، خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تراویح بیس رکعات پڑھتے تھے، جیسا کہ روایات میں گذرا۔ کوفہ میں حضرت حارث اعور کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ بھی بیس رکعات پڑھاتے تھے، نیز حضرت علی بن ربیعہؒ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، وہ بھی بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر کے پڑھایا کرتے تھے، حضرت امام سفیان ثوریؒ م ۱۶۱ھ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ م ۱۵۰ھ بھی بیس رکعات کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ غرض یہ کہ تمام ائمہ حدیث اور ائمہ فقہاء اور کبارِ مصنفین اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء بیس رکعت ہی کے قائل رہے ہیں، بغداد میں امام احمد بن حنبل (۱) چھٹی صدی ہجری کے فقیہ و بزرگ عبدالقادر جیلانیؒ (۲) امام غزالیؒ (۳)

---

(۱) المغنی لابن قدامة: ۱۶۷/۲ (۲) غنیته الطالبین مترجم: ۳۹۳

(۳) احیاء علوم الدین: ۲۰۱/۱

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ (۱) دسویں صدی میں علامہ ابن نجیم مصریؒ (۲) گیارہویں صدی میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ (۳) اور ہندوستان میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۴) بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ (۵) تیرہویں صدی ہجری میں علامہ ابن عابدین شامیؒ (۶) یہ سب نمازِ تراویح میں بیس رکعات کے قائل ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت کی توضیح

جو لوگ آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہیں، اس بارے میں ان کی اصل دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ آپا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے:

"ما كان رسول الله ﷺ يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدى عشرة ركعة يصل اربعًا فلا تسئل عن حسنهنّ وطولهن ثم يصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنهنّ وطولهنّ ثم يصلی ثلاثا." (۷)

اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے ایسی نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جائے اور وہ نماز تہجد ہے، نماز تراویح اس سے مراد نہیں، تراویح ابتدائے شب میں پڑھی جاتی ہے اور تہجد اخیر میں ......اس روایت میں تہجد مع وتر مراد لینا اس لئے بھی ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی مجموعی تعداد گیارہ سے زیادہ نہیں کرتے تھے، اگر اس روایت سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا رمضان میں بھی گیارہ رکعات سے زیادہ نوافل کا معمول نہیں تھا تو پھر ان روایات کا مطلب کیا لیا جائے گا جو کہ بالکل صحیح اور صریح ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عبادت ماہِ رمضان المبارک میں عام مہینوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی تھی۔

﴿404﴾ "عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ اذا دخل شهر رمضان شد مئزره ثم لم يأت فراشه حتی ينسلخ" حضور ﷺ جب رمضان

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیه :۱۱۲/۲۳ (۲) البحر الرائق: ۶۶/۲
(۳) الدرالمختار:۴۳/۲ (۴) ما ثبت با لسنة مترجم :۳۲۴
(۵) حجة الله البالغه :۱۸/۲ (۶) الدرالمختار مع حاشیه ردالمختار:۴۵/۲
(۷) بخاری: باب قيام النبی باليل فی رمضان وغيره، حدیث:۱۰۹۶

شروع ہوتا تو کمر بستہ ہوجاتے پھر مہینے کے اختتام تک اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔(۱)

﴿405﴾ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: وعنها أيضًا "اذا دخل العشر الأخير شدّ مئزره ، وأحيىٰ ليلته وأيقظ أهله " جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو آپ ﷺ بالکل کمر کس لیتے، ساری رات عبادت میں جاگ لیتے، اور اپنے اہل وعیال کو بیدار کرتے۔(۲)

ان روایات کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ گیارہ رکعات کو محض لمبی قرأت کے ساتھ پڑھتے؛ بلکہ آپ ﷺ کی نماز زیادہ ہوجاتی، ایک روایت میں ہے:

﴿406﴾ عنها مرفوعًا:" كان اذا دخل رمضان، تغيّر لونهٗ وكثُرت صلوته وابتهل في الدعاء، وأشفق لونه " رمضان المبارک آتا تو حضور ﷺ کا رنگ بدل جاتا، نمازوں میں اضافہ ہوجاتا، دعا میں آہ وزاری فرماتے اور کثرت عبادت سے رنگ زرد ہوجاتا۔(۳)

لہٰذا حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ تہجد میں غیر رمضان کے مقابل کچھ اضافہ نہ فرماتے، رہی تراویح کی بیس رکعات تو وہ دیگر مذکورہ احادیث وآثار سے ثابت ہے، اگر کسی کو حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے تراویح ہی مراد ہونے پر اصرار ہے تو اس روایت کے مطابق تراویح کو سال بھر پڑھنا چاہیے، کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں "فی رمضان وفی غیرہ" اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف تین دن یا دو دن رمضان میں جماعت سے نماز پڑھی؛ اس لئے اس پر عمل کرتے ہیں تو پھر تراویح جماعت کے ساتھ صرف دو یا تین رات پڑھنا چاہیے، نیز اس روایت میں چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تراویح تو بالاتفاق دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے، اور یہ بھی کہ اس روایت میں ایک سلام سے تین رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور جو لوگ تراویح ۸ر رکعات ہونے کے قائل ہیں وہ اس روایت کے برخلاف ایک سلام سے وتر کی تین رکعات کے منکر ہیں؛ اس لئے جب وتر میں یہ روایت ان کے نزدیک حجت نہیں تو تراویح کی رکعات میں کیسے حجت مانی جاسکتی ہے؟ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ

---

(۱) صحيح ابن خزيمة : باب استحباب الاجتهاد فى رمضان، حدیث:۲۲۱۶، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب الاجتهاد فى العشر الأواخر من شهر رمضان ،حدیث:۱۱۷۴

(۳) شعب الايمان: باب فضائل شهر رمضان ،حدیث:۳۹۲۵،اس روایت کے ایک راوی عبدالباقی بن قانع ہیں، ذہبی کہتے ہیں: یہ بہت زیادہ غلطی کرتے ہیں۔(فیض القدیر:۱۳۲/۵)

اس روایت کی راویہ اور رسول اللہ ﷺ کے معمولات کی واقف کار ہیں، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو خوب پایا اور بیس رکعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کو دیکھا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے کچھ نکیر نہیں فرمائی، خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود اس روایت سے نمازِ تہجد سمجھ رہی ہیں، نمازِ تراویح نہیں۔

اس بارے میں ایک دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت یعنی آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھانے کا حکم دیا تھا، اس روایت کو امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے (۱) لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ کی رائے یہ ہے کہ اس روایت میں وہم ہوگیا ہے، اس روایت کے ایک راوی محمد بن یوسفؒ ہیں یہ کبھی گیارہ رکعت کا، کبھی تیرہ کا، کبھی اکیس رکعات پڑھانے کا ذکر کرتے ہیں، اور بیس رکعات والی روایت ہی زیادہ صحیح ہے (۲)، چونکہ عہدِ فاروقی میں بیس رکعات تراویح پر دلالت کرنے والی دیگر روایات میں اس کے مثل اضطراب نہیں ہے۔ جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا ذکر ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول وہلہ میں حکم فرمایا تھا، جبکہ تہجد اور تراویح ایک ہی ہونے کا ان کو خیال تھا، چنانچہ شروع میں امام تراویح آٹھ رکعت پڑھاتا تھا، اور سحری کے وقت تک پڑھاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دو یا تین دن جماعت کے ساتھ پڑھائی ہے، وہ بیس رکعات پڑھائی ہے، اور آنحضرت ﷺ تنہا سونے سے پہلے بیس رکعتیں پڑھتے تھے، لہٰذا ابتدائی زمانے کی روایات سے دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔ (۳)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیس رکعات پڑھائیں اور مختصر پڑھائیں، لوگوں کو سونے کا موقع دیں، پھر آخری پہر میں اٹھ کر تہجد ادا کریں، جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیتے ہیں تو مجموعی روایات کی روشنی میں یوں سمجھ میں آتا ہے، رات کے اوّل حصے میں تراویح میں بیس رکعات ادا کی جاتی تھیں، پھر رات کے آخری حصہ میں گیارہ رکعت پڑھی جاتی تھی۔ اگر آٹھ رکعات والی روایات کو تہجد پر محمول نہ کریں تو بیس رکعات ادا کرنے میں آٹھ پر بھی عمل ہوجاتا ہے۔

---

(۱) مؤطا مالك : باب ما جاء فی قیام رمضان، حدیث:۳۷۹

(۲) اوجز المسالك: ۵۲۹/۲

(۳) بیهقی عن ابن عباس: باب ما روی فی عدد ركعات القیام فی شهر رمضان، حدیث:۴۳۹۱، اس حدیث کی سند پر اسی کتاب میں حدیث نمبر:۳۸۱ کے تحت میں بحث گذر چکی ہے۔

اس لئے صحیح یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح مسنون ہے، آٹھ رکعت کے حوالے سے کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے، اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے فقہاء و محدثین اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے دور تک بیس رکعات ہی کا معمول رہا ہے اور حرمین شریف میں اب تک اسی کا معمول ہے، (گویا عہد عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک امت کے بڑے اور معتبر طبقہ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع رہا ہے)۔

نماز میں قرآنِ مجید دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے:

﴿407﴾ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث (دیہاتی کی نماز والی) بیان کی، اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کہ جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ویسے کر، پھر اذان کہہ، پھر اقامت کہہ، پھر تکبیر (تحریمہ) کہہ، پھر آگے اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو وہ پڑھ ورنہ پھر اللہ عزوجل کی حمد کر اور اس کی تکبیر و تہلیل کر، (یعنی " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، کہہ) " ثمّ کبّر فان کان معك قرآن فاقرأ به والّا فاحمد اللّه عزّ وجلّ و کبّره وهلّله " (۱)

﴿408﴾ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ میں قرآنِ پاک سے کچھ حاصل کرنے (زبانی یاد کرنے) کی سکت نہیں رکھتا؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ سکھا دیں، جو میرے لئے کافی ہو "انّی لا أستطیع أن اخذ شیئًا من القرآن فعلّمنی ما یُجزئنی"، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ کہہ لو :قال: سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ .(۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب صلاۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود، حدیث:۸۶۱، اس روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے، "بلوغ المرام" میں ہے: اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۲/۲۴۴)

(۲) ابوداؤد: باب ما یُجزئ الامّی والاعجمی من القرأۃ، حدیث:۸۳۲، اس روایت کو احمد، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، جارود، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں "ابراهیم السکسکی" ہیں یہ بخاری کے رجال میں سے ہیں، ابن قطان نے کہا ہے: چند لوگوں نے انہیں ضعیف کہا ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ہوگی: اعلاء السنن: ۵/۶۰، عزالدین ابن السلام کہتے ہیں کہ: اس روایت کو احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (سبل السلام، الأذکار قائمة مقام القراءۃ:۲/۱۱۱)

وضاحت: ان دونوں روایتوں میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ پہلی روایت میں آنحضرت ﷺ نماز کی تعلیم کے موقع سے قرآن یاد نہ ہونے پر مذکورہ اذکار کہہ لینے کو فرمارہے ہیں ...... دوسری روایت میں اس شخص کو قرآن یاد کرنے کی استطاعت نہ ہونے کا عذر کرنے پر ان اذکار کے کہہ لینے کو فرمارہے ہیں، اگر قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہوتا تو اولاً آپ ﷺ فرماتے کہ: قرآن دیکھ کر پڑھ لیا کرو، پھر اس کے بعد عذر پر آپ ﷺ ان اذکار کی تلقین کرتے؛ حالانکہ آپ نے قرآن کے یاد نہ ہونے کی صورت میں ان اذکار کے پڑھ لینے کو کہا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہ بھی اس عمل کے مفسدِ صلاۃ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿409﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم قرآن دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں، اور اس سے منع فرمایا کہ ہماری امامت بالغ کے علاوہ کوئی اور کرے " نهانا أمير المؤمنين عمر رضی اللہ عنہ ان نؤم الناس فی المصحف، ونهانا أن يؤمّنا الّا المحتلم" (۱)

﴿410﴾ حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں دیکھ کر امامت نہ کروائی جائے " قال: لا يُؤمّ فی المصحف" (۲)

﴿411﴾ حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ وہ ابوعبدالرحمٰنؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں دیکھ کر امامت کو ناپسند کرتے تھے " أنّه كره أن يُؤمّ فی المصحف" (۳)

﴿412﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے: اس طرح نصاریٰ کرتے ہیں " وقال: هكذا يفعل النصارىٰ " (۴)

---

(۱) کنز العمّال: فصل فی ادب الامام، ۲۲۸۳۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: باب من کرهه، ۷۳۰۹

(۳) مصنف ابن ابی شیبه: فی الرجل یؤم القوم وهو یقرأ فی المصحف باب من کرهه ۷۳۰۲

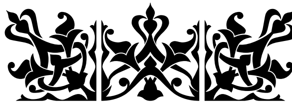
(۴) مصنف ابن ابی شیبه: باب من کرهه، ۷۳۰۷

﴿413﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) قرآن میں دیکھ کر امامت کو ناپسند کرتے تھے " کانوا یکرھون أن یؤم الرجل وھو یقرأ فی المصحف" (۱)

اس کے علاوہ قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا سیکھنے سکھانے کا طریقہ ہے، جو نماز کے منافی ہے، پھر قرآن کو ہاتھ میں پکڑنا، پھر اس میں دیکھنا، پھر اوراق کو پلٹنا، یہ سب عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جو لوگ قرآن میں دیکھ کر قرأت کے جواز کو اس روایت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے غلام ''ذکوان'' رمضان میں قرآن میں دیکھ کر ان کی امامت کرتے تھے "وکانت عائشۃ یؤمّھا عبدھا" ذکوان" من المصحف" (۲) یہاں تعلیم وتعلّم کی شکل نہیں پائی جاتی تھی؛ چونکہ ذکوان حافظِ قرآن تھے؛ بلکہ یہ تو محض استعانت کی شکل ہوتی تھی، جو درست ہے، رمضان میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کو لقمہ دینے والا کوئی نہیں تھا؛ اس لئے وہ ہر چار رکعات پر قرآنِ کریم سے مراجعت کرتے، پھر اسے تراویح میں پڑھاتے۔

نماز میں قرآن دیکھ کر قرأت کرنا، اس وجہ سے بھی درست نہیں کہ اس میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔



---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرھہ،۷۳۰۴

(۲) بخاری: باب امامۃ العبد والمولیٰ

نمازِ جمعہ کی اہمت

﴿414﴾ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ منبر کی سیڑھیوں پر تشریف فرما تھے، خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رُک جائیں، یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر یہ لوگ غافلین میں ہو جائیں گے لینتهينّ أقوام عن ودعهم الجمعات أوليختمنّ الله على قلوبهم، ثمّ ليكوننّ من الغافلين (۱)

گاؤں اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں

گاؤں اور دیہات والوں پر جمعہ فرض نہیں، اس لئے کہ گاؤں اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔

﴿415﴾ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ باہر کے لوگ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھنے کیلئے اپنی اپنی منازل اور عوالی سے باری باری آتے تھے " كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالى " (۲)

﴿416﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے بحرین کے ایک شہر "جواثی" میں عبدالقیس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی گئی "انّ أوّل الجمعة جمعت بعد جمعةٍ فى مسجد رسول الله ﷺ فى مسجد عبد القيس بـ"جواثى" من البحرين" (۳)

ان روایات سے پتہ چلا کہ اہل عوالی (یعنی اطراف کے گاؤں دیہات والے) جمعہ میں شرکت کیلئے مدینہ طیبہ باری باری آتے تھے، جس سے پتہ چلا کہ ان پر جمعہ فرض نہیں تھا، اگر وہاں

---

(۱) مسلم: التغليظ فى ترك الجمعة، حديث:۸۶۵

(۲) بخاری: باب من اين يُوتى الجمعة وعلى من يجب، حديث:۸۶۰

(۳) بخاری: باب الجمعة فى القرىٰ والمدن، حديث:۸۵۲

جمعہ کی اجازت ہوتی تو ان کو اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں ہوتی، دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کے بعد ''جواثی'' میں جمعہ قائم ہوئی، اہل جواثی حضور ﷺ کے پاس ۸ھ ہجری میں میں آئے تھے، ظاہر ہے کہ اس سے پہلے ہزاروں دیہات داخل اسلام ہو چکے تھے؛ لیکن وہاں نماز نہیں ہوتی تھی۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جواثی بڑا شہر تھا، انہوں نے متعدد اہل سیر کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت ہی سے تجارت کا بڑا مرکز تھا، شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اس کا اسی حیثیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں علاء بن الحضرمی یہاں کے گورنر تھے۔(۱)

﴿417﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے قصر میں ''زاویہ'' جو بصرہ شہر سے چھ میل دور تھا رہتے تھے کبھی وہ نماز جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے'' كان انس رضى الله عنه فى قصره أحيانًا يجمع أحيانًا ولا يجمع وهو بالزاوية على فرسخين'' (۲)

﴿418﴾ حضرت ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں عید کی نماز پڑھنے کیلئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، آپؓ تشریف لائے، نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، اور فرمایا: اس دن تمہاری دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو یہ چاہے کہ وہ جمعہ کی نماز کا انتظار کرے تو وہ کرے اور جو یہ چاہے کہ واپس چلا جائے تو میری طرف سے اسے اجازت ہے'' فمن أحبّ من أهل العالية أن ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن أحبّ أن يرجع فقد أذنتُ له'' (۳)

ان روایات میں بھی اہل عوالی کیلئے جمعہ کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کا اختیار دینے سے پتہ چلتا ہے کہ دیہاتیوں پر جمعہ نہیں۔

﴿419﴾ حضرت ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ اور تشریق (عید) جائز نہیں مگر مصر جامع (بڑے شہر) میں'' لا تشريق ولا جمعة الا فى مصر جامع'' (۴)

---

(۱) التعليق الحسن على اثار السنن:۲۳۱ (۲) بخارى: باب من اين يُوتى الجمعة، وعلى من تجب؟ تعليقًا (۳) موطا امام مالك: باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة فى العيدين، حديث:۶۱۳، تحقيق: محمد مصطفى الأعظمى

(۴) مصنف ابن ابى شيبه: باب من قال: لا جمعة ولا تشريق الا فى مصر جامع، حديث: ۵۰۹۸، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو عبدالرزاق، ابوبکر ابن ابی شیبہ، اور بیہقی نے ''المعرفة'' میں روایت کیا ہے اور یہ اثر صحیح ہے، ابن حزم نے ''المحلی'' میں اور ابن حجر نے ''الدرایۃ'' میں عینی نے ''عمدۃ القاری'' میں اس سند کو صحیح کہا ہے۔ (التعليق الحسن: مع اثار السنن: ۴۵۷)

ایسے ہی سورۂ جمعہ میں جو ارشاد باری عزوجل ہے " یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ" (۱) ان آیتوں میں شہر والوں پر جمعہ فرض ہونے کا بیان ہے اذان سن کر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف چل پڑنا اور خرید وفروخت موقوف کر دینا شہروں میں ہوتا ہے، اسی طرح نمازِ جمعہ پوری ہونے کے بعد زمین میں پھیل جانا اور اللہ کا رزق تلاش کرنا بھی شہر کی طرف اشارہ کرتا ہے؛ لیکن جہاں اسلامی حکومت نہیں اگر وہاں دیہاتوں میں جمعہ پڑھا جاتا ہے تو ان کو باقی رکھا جائے؛ کیونکہ اس کے موقوف کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اور دیہاتی لوگ جو کچھ جمعہ کے نام پر مسجد و دین سے جڑے ہوئے اسلامی شناخت پر ہیں وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

﴿420﴾ حضرت ابرہیم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: گاؤں والوں پر جمعہ نہیں ہے، جمعہ تو شہر والوں پر ہے جیسے مدائن " لیس علی اهل القری جمعة ، انما الجمعة علی اهل الأمصار مثل المدائن" (۲)

﴿421﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: جمعہ اور تشریق (عید) جائز نہیں، مگر بڑے شہر میں۔ (۳)

﴿422﴾ حسن بصریؒ اور محمدؒ (ابن سیرین) سے مروی ہے وہ دونوں کہتے تھے کہ جمعہ شہر میں ہوتا ہے "الجمعة فی الامصار" (۴)

جمعہ کی دو اذانیں

جمعہ کی دو اذانیں مسنون ہیں: پہلی اذان خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت پہلے دی جائے؛ تاکہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، اور دوسری اذان مسنون عربی خطبہ سے پہلے دی جائے۔

﴿423﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

(۱) الجمعة: ۹

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: باب لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع ، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں، ابراہیم کے مراسل ان کے نزدیک صحیح ہیں، پھر اس کی تائید حضرت علیؓ کے اثر سے ہو رہی ہے۔ (اعلاء السنن: ۸/۳۰)

(۳) مصنف ابن ابی شیبة: باب من قال: لا جمعة ولا تشریق الاّ فی مصرِ جامع، ۵۱۰۶

(۴) مصنف ابن ابی شیبة: باب من قال: لاجمعة ولا تشریق الاّ فی مصر جامع ، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۴۵۹ باب لا جمعة الاّ فی مصر جامع)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان (جمعہ کی پہلی اذان) کا حکم دیا؛ چنانچہ مقام ''زوراء'' پر وہ اذان کہی گئی، اور پھر یہ ایک سنت بن گئی ''فلمّا كان في خلافة عثمان، و كثروا امر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأُذّن به على الزورء، فثبت الأمر على ذلك'' (۱)

اس کو تیسری اذان سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ ممبر کے قریب دی جانے والی اذان اور اقامت کے علاوہ ہے۔

حدیثِ مذکور سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی جو امام کے سامنے منبر کے پاس دی جاتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپؓ کے حکم سے ایک اور اذان دی جانے لگی، ظاہر ہے کہ یہ تمام حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دی جاتی تھی، ان میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا؛ چنانچہ یہ اذان باجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم رائج ہو گی۔

بلکہ یہ اذان کو مسنون قرار دیا جائے تو بھی گنجائش ہے؛ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر سکوت کے ذریعہ اس کی موافقت کی ہے، اگر یہ امر منکر (غیر درست) چیز ہوتی تو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور اس کا انکار فرماتے، اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''عليكم بسنتي وسنّة الخلفاء الراشدين المهديين'' اپنے اوپر لازم پکڑو میری سنت اور خلفاء کی سنت کو جو ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔ (۲)

گویا بحکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل ضروری ہے، اور ہر زمانے میں اس اذان پر عمل ہوتا رہا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، پہلے یہ اذان ''زوراء'' پر دی جاتی تھی، بعد میں مسجد میں دی جانے لگی، آج بھی تمام اسلامی ممالک میں یہ اذان مسجد میں دی جاتی ہے، خود مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آج تک اس اذان کے مسجد میں دینے کا معمول ہے۔

---

(۱) بخاری: باب الأذان يوم الجمعة، حدیث: ۸۷۰

(۲) ابوداؤد: باب في لزوم السنّة، حدیث: ۴۶۰ اس روایت کو احمد ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (تحفة الاحوذی: باب ما جاء في اذان الجمعة: ۴۰/۳)

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت امام کے سامنے اذان

جب امام خطبہ دینے کیلئے منبر پر بیٹھ جائے، تو دوسری اذان اس کے سامنے دی جائے:

﴿424﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے، پھر جب آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لاتے تو اقامت کہتے،" كان بلال رضی اللہ عنہ يؤذّن اذا جلس رسول الله ﷺ على المنبر يوم الجمعة، فاذا نزل أقام" پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا۔(۱)

﴿425﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ دو خطبے دیتے تھے، جب آپ ﷺ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور پہلا خطبہ ارشاد فرماتے: پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے"كان النبی ﷺ يخطب خطبتين، كان يجلس اذا صعد المنبر؛ حتى يفرغ الموذن، ثم يقوم فيخطب، ثم يجلس فلا يَتَكَلّم ثم يقوم فيخطب" (۲)

﴿426﴾ حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں منبر پر تشریف فرماتے، پھر جب موذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو کھڑے ہو کر پہلا خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے "بلغنا أن رسول الله ﷺ كان يبدأ فيجلس على المنبر، فاذا سكت المؤذن قام فخطب الخطبة الأولى، ثمّ جلس شيئًا يسيرًا، ثم قام فخطب الخطبة الثانية " یہاں تک کہ خطبہ پورا فرما لیتے تو "استغفر اللّٰه" کہتے اور نیچے تشریف لا کر

(۱) نسائی: باب الأذان للجمعة، حدیث:۱۳۹۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن: ۴۷۳، باب ما يدل على التاذين عند الخطبة يوم الجمعة عند الامام)

(۲) ابوداؤد: باب الجلوس اذا صعد المنبر، حدیث:۱۰۹۲، اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد علامہ زیلعی فرماتے ہیں: "والعمری فیہ مقال" عمری کے بارے میں کلام ہے، پھر آگے مراسیل ابوداؤد کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "كل منهما يقوّي الآخر" اس روایتوں میں سے ہر ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہیں "نصب الرایہ:۲/۱۳۶" البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

نماز پڑھاتے، حضرت ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تھے تو لاٹھی پکڑ کر اس پر ٹیک لگاتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوتے، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے۔(۱)

امام منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے دے، پہلا خطبہ پڑھ کر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دے:

جیسا کہ مذکورہ بالا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن شہاب زہریؒ کی روایات سے معلوم ہوا۔

﴿427﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے جیسا کہ تم اب کرتے ہو"یخطب قائمًا ثم یقعد ثم یقوم کما تفعلون الاٰن" (۲)

جمعہ کے دونوں خطبے عربی زبان میں ہوں

عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

۱- اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خطبہ دراصل "ذکر اللہ" ہے۔

قرآنِ حکیم میں خطبہ کو"ذکر اللہ"ہی سے تعبیر کیا گیا ہے:" اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ "جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو، اللہ کی یاد کو۔(۳)

عام مفسرین نے اس آیتِ مبارکہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ٔجمعہ کہا ہے۔

ایسے ہی آپ ﷺ نے بھی خطبہ جمعہ کو ذکر اللہ سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿428﴾ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اوّل وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے، اس کے بعد

---

(۱) مراسیل ابی داؤد مع سنن ابی داؤد:۷

(۲) بخاری: باب الخطبة قائمًا، حدیث:۸۷۸ (۳) الجمعة:۹

انڈا پیش کرنے والے کی، پھر امام خطبہ کیلئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں شریک ہوجاتے ہیں" فاذا خرج الامام، طووا صحفهم، ويستمعون الذكر" (۱)

اس حدیث میں فرشتوں کے ذکر سننے سے مراد خطبہ جمعہ کا سننا ہے، قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہوا کہ خطبہ کی حقیقت ذکر اللہ ہے۔

جب قرآن وحدیث سے خطبہ کا ذکر اللہ ہونا ثابت ہوا تو جس طرح تعوذ، تسمیہ، تسبیح، تحمید، ثناء، التحیات وغیرہ ذکر اللہ ہیں اور بالاتفاق ان کیلئے عربی زبان استعمال ہوتی ہے، غیرعربی زبان کا تصور بھی نہیں، اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہوگا، غیرعربی زبان میں خطبہ درست نہ ہوگا۔

۲- دوسری وجہ خطبہ جمعہ، جمعہ کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔

﴿429﴾ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کا) خطبہ دو رکعتوں کی جگہ رکھا گیا ہے، جو شخص خطبہ نہ پائے تو وہ چار رکعت پڑھے "انما جُعلت الخطبة مكان الركعتين فان لم يدرك الخطبة فليصلّ أربعًا" (۲)

﴿430﴾ ابن حزم کی یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "انما قصرت الصلاة لاجل الخطبة" خطبہ کی وجہ سے نماز میں کمی ہوگئی۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو ابن حزم نے روایت کیا ہے اور اس کو مرسل کہا ہے" قرونِ ثلاثہ" کے مرسل ہمارے یہاں مقبول ہیں۔ (۳)

﴿431﴾ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمعہ کی چار رکعتیں تھیں دو خطبے کی وجہ سے کم ہوگئیں "كانت الجمعة اربعًا، فحُطّت ركعتان للخطبة" (۴)

۳- جو افعال وحرکات بحالت نماز ممنوع ہیں، خطبہ میں بھی حرام ہیں، سامعین کیلئے خطبہ کے دوران کھانا پینا، بولنا چالنا؛ یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا اور ذکر و تسبیح پڑھنا بھی جائز نہیں، ایسے ہی خطبے کے بھی نماز کی طرح کچھ آداب اور شرائط ہیں، مثلاً

---

(۱) بخاری: باب الاستماع الى الخطبه يوم الجمعة، حدیث: ۸۸۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: باب الرجل تفوته الخطبة، اس کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ مرسل صحیح ہے۔ (حواشی اعلاء السنن: ۸/۶۶)

(۳) اعلاء السنن: ۸/۶۶ (۴) المدونة الكبرىٰ: باب فی خطبة الجمعة: ۱/۲۳۶

۱- طہارت: بلا وضو پڑھنا مکروہ ہے۔

۲- خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا۔

۳- لوگوں کی طرف رخ کر کے پڑھنا۔

۴- خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ پڑھنا۔

۵- خطبہ کا لوگوں کو سنانا: اگر آہستہ خطبہ پڑھا گیا تو گو فرض ادا ہو گیا؛ لیکن مکروہ ہوا......

اسی طرح اس کے کچھ شرائط ہیں:

۱- خطبۂ جمعہ، جمعہ کے وقت میں ہو، اگر زوال سے پہلے پڑھا گیا تو وہ معتبر نہ ہوگا۔

۲- نماز جمعہ سے پہلے پڑھنا، اگر بعد میں پڑھا گیا تو سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔

۳- خطبہ کے وقت مردوں کا موجود ہونا، صرف عورتیں ہوں تو خطبہ نہ ہوگا۔

۴- اگر حاضرین بہرے ہوں، یا سب سو رہے ہوں تو تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے۔

۵- اگر شور و شغب یا اور کسی وجہ سے سامعین خطبہ نہ سن سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائے گا اور وہ معتبر ہوگا، اس طرح کی قیودات بتلا رہی ہیں کہ بہت سے احکام جو نماز کے ہیں وہ خطبے کے بھی ہیں، خطبہ کوئی وعظ و تذکیر کی مجلس نہیں، جب خطبہ نماز کی طرح؛ بلکہ اس کے قائم مقام ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو؛ کیونکہ نماز کی زبان عربی ہے، نماز کسی اور زبان میں نہیں ہوتی۔ خطبہ بالاجماع نماز کی شرط ہے، جو زبان نماز کی ہوگی وہی شرط یعنی خطبہ کی ہوگی۔

۴- حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو:

﴿432﴾ حضرت ابووائلؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو بہت مختصر اور انتہائی بلیغ خطبہ دیا، جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے ابوالیقظان! آپؓ نے نہایت بلیغ اور مختصر خطبہ دیا، اگر آپؓ اسے ذرا لمبا کرتے تو اچھا ہوتا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے سمجھدار ہونے کی نشانی ہے، لہٰذا تم نماز کو لمبی کیا کرو، اور خطبہ کو مختصر، اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں:

”انی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: ان طول صلوة الرجل وقصر خطبتہ مَئِنَّةٌ من فقھه ، فأطيلو الصلوة ، واقصروا الخطبة وانّ من البيان لسحرا “ (۱)

(۱) مسلم: باب تخفیف الصلاة والخطبة، حدیث ۸۶۹

یہ خطبہ اللہ کی حمد وثناء، کلمہ شہادتیں، نبی ﷺ پر درود، وعظ ونصیحت، قرآنِ پاک کی کوئی آیت، دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی سی بیٹھک، دوسرے خطبے میں بھی حمد وثناء، درود، تمام مسلمان مرد وعورت کیلئے دُعا، ان چیزوں پر مشتمل مختصر خطبہ ہو......اسی کی تاکید حضور ﷺ فرمارہے ہیں، اس طرح سے اگر آدھے ایک گھنٹے کی تقریر کو خطبہ قرار دیں تو حضور اکرم ﷺ کے حکم کی مخالفت لازم آئے گی۔

۵- آنحضرت ﷺ نے عربی زبان میں خطبہ دیا ہے:

حضور ﷺ نے بھی پابندی کے ساتھ عربی زبان میں خطبہ دیا ہے، آپ ﷺ کے خطبے میں عجمی بھی شریک ہوتے تھے، کبھی آپ ﷺ نے ان کی رعایت میں ان کی زبان میں خطبہ نہیں دیا، اور نہ کسی کو ان کی زبان میں خطبہ دینے کو کہا، اور نہ کبھی اس خطبہ کا کسی سے ترجمہ کروایا، ایسے ہی خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بہت کثرت سے عجمی ان کے خطبے میں شرکت کرتے تھے؛ لیکن انہوں نے بھی پوری پابندی کے ساتھ عربی میں خطبہ دیا، اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، محدثین، ائمہ فقہاء رحمہم اللہ؛ بلکہ عرب وعجم ہر جگہ خطبہ کا عربی زبان میں عمل تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے؛ اس لئے خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

خطبہ کے درمیان بات چیت اور نماز مکروہ ہے:

جمعہ کے خطبہ کے دوران نماز (تحیۃ المسجد یا سنتیں) پڑھنا اور باتیں کرنا مکروہِ تحریمی ہے:

﴾433﴿ حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور جس حد تک ہو سکے صفائی کرے، پھر تیل لگائے یا خوشبو ہو تو وہ لگائے، پھر جمعہ کیلئے جائے، پھر جتنی اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے، پھر جب امام خطبہ کیلئے نکل آئے تو خاموش رہے تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے گناہ معاف کرتے ہیں "فصلّى ما كتب له، ثم اذاخرج الامام أنصت، غُفرله مابينه وبين الجمعة الأخرىٰ " (۱)

﴾434﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت منقول ہے، اس کے الفاظ ہیں: "فصلى ما قدّرله، ثم انصت؛ حتى يفرغ الأمام من خطبته" پھر جتنی نماز اس کیلئے

(۱) بخاری: باب الدهن للجمعة، حديث:۸۴۳

مقدر تھی پڑھی، پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھا تو اس کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے؛ بلکہ اور تین دن مزید اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔(۱)

﴿435﴾ حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت **نَبِيْشَة هُذَلِى** رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کرکے مسجد آئے، اس طرح سے کہ کسی کو تکلیف نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کیلئے) نہیں نکلا، تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے، اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا تو بیٹھ جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے؛ یہاں تک کہ امام خطبہ ونماز سے فارغ ہوجائے تو اگر اس کے اس جمعہ کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کیلئے یہ کفارہ ہوجائے"فاذا لم يجد الامام خرج فصلّى ما بدا له، وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وأنصت حتى يقضى الامام جمعته وكلامه، ان لم يغفرله فى جمعته تلك ذنوبه كلّها أن تكون كفّارة للجمعة التى قبلها" (۲)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی حد خطبہ سے پہلے تک ہے، اس کے بعد نماز پڑھنا حضور ﷺ کے طئے کردہ حدود کو تجاوز کرنا ہے، یعنی خطبہ سے پہلے نماز کو بند کرنا ہے، خطبہ کے دوران خاموش رہنا ہے، یعنی اس دوران نماز پڑھنا خاموشی کے منافی ہے۔

﴿436﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں جمعہ کے دن سب سے پہلے جمعہ کیلئے آنے والے، پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے، آنے والے کیلئے بالترتیب، اونٹ، گائے، مینڈھا، مرغی انڈا وغیرہ کی قربانی دینے کا ثواب ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ فرشتے امام جب خطبہ کیلئے نکل کر آتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔(۳)

امام کے نکل آنے کے بعد فرشتوں کا نامۂ اعمال لپیٹ کر ذکر اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجانا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خطبہ کی حالت ذکر سننے کے علاوہ تمام اعمال کو بند کرنے کی ہے، نہ کہ نماز اور کلام کی۔

﴿437﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں خطبہ کے دوران کسی کو خاموش کرنے

---

(۱) مسلم: باب فضل من استمع الخطبة وانصت فى الخطبة، حديث، ۸۵۷

(۲) مسند احمد: ۲۰۷۴۰، مع تحقیق: شعیب الأرنؤط، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں

(۳) بخاری: باب فضل الجمعة، حدیث: ۸۸۱

سے بھی منع کیا گیا ہے"اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت" (۱)

﴿438﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو شخص کسی کو دورانِ خطبہ خاموش رہنے کو کہتا ہے اس کا جمعہ ہی نہ ہوگا"والذی يقول له انصت، ليس له الجمعة " (۲)

ان روایتوں میں دوران خطبہ امر بالمعروف (بھلائی کا حکم کرنا) نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) یہ جو واجب چیز ہے اس سے بھی منع کیا گیا ہے؛اس لئے اس دوران سنت ونوافل کی اجازت کیوں کر ہوسکتی ہے؟

﴿439﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام، جب تک امام (خطبہ سے) فارغ نہ ہوجائے"اذا دخل أحدكم المسجد و الامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ" (۳)

﴿440﴾ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا (اس دور میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا تھا کہ) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کیلئے نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے"ادركتُ عمر و عثمان رضى الله عنهما اذا خرج الامام تركنا الصلوة " (۴)

---

(۱) بخاری: باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، حدیث:۹۳۴

(۲) مسند احمد: حدیث: مع تحقيق شعيب الأرنؤط ،علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے: اس کو احمد، بزار اور طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اس کے ایک راوی مخالد بن سعید ہیں، ان کو بعض لوگوں نے ضعیف کہا ہے اور نسائی نے ایک روایت میں ان کی توثیق کی ہے۔(مجمع الزوائد : باب الانصات والإمام يخطب ، حدیث:۲۱۳۳)

(۳) مجمع الزوائد: باب فيمن يدخل المسجد والامام يخطب، حدیث:۳۱۲۰،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی ایوب بن نھیک ہیں، یہ متروک ہیں، ایک جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے یہ کبھی غلطی کرتے ہیں

(۴) مصنف ابن ابی شیبة: من كان يقول :اذا خطب الام فلا يُصلی ،۵۲۱۶، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن : ۴۸۲،باب فی المنع من الصلاة عند الخطبة)

﴿441﴾ امام مالکؒ نے اپنی موطا میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے، ابن شہاب زہریؒ اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں : " فخروج الامام یقطع الصلوۃ و کلامه یقطع الکلام" امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام خطبہ یعنی گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔(۱)

﴿442﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک تفصیلی روایت میں فرماتے ہیں: تیسرا وہ شخص ہے جس نے امام کے (خطبہ کیلئے) نکلنے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں "ورجل صلّی بعد خروج الامام فلیست بسنّة " (۲)

﴿443﴾ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ امام کے خطبے کیلئے نکل آنے کے بعد نماز اور بات چیت کو مکروہ سمجھتے تھے "یکرهان الصلاة والکلام بعد خروج الامام" (۳)

﴿444﴾ حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں نے سوال کیا کہ خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے آپؓ نے فرمایا: اگر سب ہی پڑھیں گے تو یہ ٹھیک ہوگا؟ " أرأیت لو فعل ذلك کلّهم کان حسنًا؟ " (۴)

﴿445﴾ ایک روایت میں حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔"الصلوة والامام علی المنبر معصیة" (۵)

حسن بصریؒ (۶) قاضی شریحؒ (۷) ابوقلابہؒ (۸) دورانِ خطبہ نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت قتادہؒ (۹) عطا بن رباحؒ (۱۰) ابن سیرینؒ (۱۱) عروہ بن زبیرؒ (۱۲) ابن شہاب زہریؒ (۱۳)

---

(۱) مؤطا مالك: باب ما جاء فی الانصات یوم الجمعة والامام یخطب ،حدیث:۳۴۴

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب جلوس الناس حین یخرج الامام،حدیث: ۵۳۶۵

(۳) مصنف: ابن شیبة: من کان یقول :اذا خطب الامام فلا یُصلّی،۵۲۱۸

(۴) مصنف عبدالرزاق: باب الرجل یجیٔ والامام یخطب،۵۵۱۷

(۵) شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعة ،۵۵۱۷ ،مع تحقیق: زہری النجار، فرماتے ہیں: اس کی سند میں عبداللہ بن لهیعه ہیں اور ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: احمد نے ان کی توثیق کی ہے اور یہی بات کافی ہے: عمدة القاری: باب اذا رأی الامام رجلاً جاء وهو یخطب (۶) طحاوی (۷) مصنف ابن ابی شیبه

(۸) طحاوی (۹-۱۰) مصنف عبدالرزاق (۱۱-۱۲-۱۳) مصنف ابن شیبة

حضرت سعیدؒ بن مسیّب (۱) حضرت مجاھدؒ (۲) امام جب خطبہ کیلئے نکلے تو یہ لوگ نماز اور کلام سے منع فرماتے تھے۔

جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعات سنتِ مؤکدہ ہے اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعات سنتِ مؤکدہ پھر دو رکعات سنتِ غیر مؤکدہ ہے۔

﴿446﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور سلام آخری (چوتھی) رکعت میں پھیرتے تھے " كان رسول الله يُصلّي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً ،جعل التسليم في اٰخرهنّ" (۳)

﴿447﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ چار پڑھے " من كان مصليًا بعد الجمعة فليصل أربعًا (۴)

﴿448﴾ حضرت سالمؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے " كان يُصلّي بعدالجمعة اربعًا" (۵)

﴿449﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے کا معمول تھا، اور وہ اسی کا حکم کرتے تھے " كان يصلّي قبل الجمعة أربع ركعات وبعدها أربع ركعاتٍ" (٦)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق (۲) طحاوی

(۳) معجم اوسط لطبرانی : حدیث: ۱۶۱۷، اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے: اور کہا ہے، اس کے ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن ہیں، انہیں کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے: ان سے کوئی نقصان نہیں، ان کو ابنِ حبان نے ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے ''اللسان'' یہ مختلف فیہ ہیں اور ان جیسی کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں: اعلاء السنن: ۱۳/۷

(۴) مسلم : باب الصلاۃ بعد الجمعة، ۸۸۱

(۵) مسلم : باب الصلاۃ بعدالجمعة، ۸۸۲

(٦) مصنف عبدالرزاق: باب الصلاۃ قبل الجمعة وبعدها، حدیث: ۵۵۲۴، مع تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی، اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے ''الدرایۃ'' میں ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں، ''آثار السنن'' میں ہے اس کی سند صحیح ہے، یہ موقوف ہے اور مرفوع کے حکم میں ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/۷)

اِن روایات سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعات اور پھر دو رکعات کا معمول تھا۔

مجموعی طور پر جمعہ کے چھ رکعات کے تعلق سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کی پوری وضاحت کے ساتھ تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

﴿450﴾ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چار رکعتیں جمعہ سے پہلے پڑھتے اور چار جمعہ کے بعد، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے بعد پہلے دو پھر چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا ہے " أنه أمر ان يصلّى بعد الجمعة ركعتين ثم أربعًا " (۱)

﴿451﴾ حضرت عطاء بن رباحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب جمعہ پڑھتے تو جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے، پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔(۲)

﴿452﴾ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، جس مصلّے پر آپ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی ہے، اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعات پڑھتے تھے" قال: فيركع ركعتين، قال: ثمّ يمشي انفس من ذلك فيركع اربع ركعاتِ" میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کتنی دفعہ ایسے کرتے دیکھا: انہوں نے فرمایا: بہت دفعہ " كم رأيت ابن عمر يصنع ذلك؟ قال مرارًا (۳)

﴿453﴾ اس روایت کو ترمذیؒ نے حضرت عطاءؒ سے مختصراً نقل کیا ہے فرماتے ہیں:" رأيت ابن عمر صلى بعد الجمعة ركعتين ثم صلى بعد ذلك أربعًا" میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھی اور پھر اس کے بعد چار رکعات۔(۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، تحت حدیث:۵۲۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۷۷۴)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: من كان يُصلّي بعدالجمعة ركعتين ۵۴۱۲، ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، تحت حدیث:۵۲۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، عراقی کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے: اثار السنن:۷۶۴، باب السنة قبل الجمعة وبعدها

(۳) ابوداؤد: باب الصلاة بعدالجمعة، حدیث:۱۱۳۳، البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۴) ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة، تحت حدیث:۵۲۳

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ اور حضرت مسروق (۱) بھی جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضور ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ جمعہ کے چھ رکعت موکدہ ہیں۔

عیداور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ ساقط نہ ہوگا

عیداور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ ساقط نہ ہوگا اس کا پڑھنا بھی فرض ہی رہے گا؛ چونکہ جمعہ کا ثبوت نص قطعی سے ثابت ہے

ارشادِ خداوندی ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاۃِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ ،ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲) اے ایمان والو! جب اذان ہو جمعہ کے دن تو دوڑ پڑو، اللہ کی یاد کو اور چھوڑ و خرید وفروخت، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

﴿454﴾ خود حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ اگر جمعہ اور عید اکھٹے ہوتے تو دونوں ادا فرماتے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں " سبّح اسم ربك الأعلیٰ " اور " ھل أتك حديث الغاشية " پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھے ہو جاتے تو بھی آپ ﷺ دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھتے تھے " و ربّما اجتمع في يوم واحد فيقرأبهما " (۳)

﴿455﴾ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ پھر میں عید کی نماز کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا آپؓ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، فرمایا: لوگو! یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے، وہ انتظار کرے اور جو واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے۔ (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، اوپر کے روایات کے تحت (۲) جمعہ:۹

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی القرأة في العيدين ، حدیث:۵۳۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

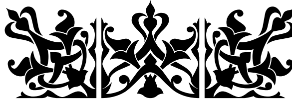
(۴) بخاری: كتاب الأضاحی، باب ما يؤكل من لحوم الاضاحی وما يُتزوّد منها، حدیث:۵۲۵۱

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ اور عید ایک دن جمع ہو جائیں تو دونوں پڑھے جائیں گے، خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہاں البتہ اہل عوالی (اطراف مدینہ رہنے والے دیہاتیوں کو) جن پر جمعہ فرض نہیں تھا، انھیں یہ اجازت دی کہ اگر تم جمعہ کیلئے ٹھہرنا چاہو تو ٹھہر جاؤ اور اگر جانا چاہو تو چلے جاؤ؛ چونکہ دیہاتیوں پر جمعہ فرض ہی نہیں تھا۔

اس کی تصدیق کتاب الأم، میں مذکور اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿456﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل عوالی میں سے جو (نماز جمعہ کیلئے) بیٹھنا چاہے وہ بیٹھ جائے بغیر کسی تنگی کے "فقال من أحبّ من أهل العالية فليجلس في غير حرج" (۱)

خود امام شافعیؒ اسی کے قائل تھے کہ اجتماع کی صورت میں دونوں پڑھے جائیں گے۔



(۱) کتاب الام: ۲۳۹/۱

نمازِ عیدین

رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو عید الفطر اور ۱۰/ذی الحجہ کو عید الضحیٰ یہ مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں، یہ دونوں مسلمانوں کیلئے مسرت وخوشی کے دن ہیں، جنھیں مسلمان بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں، اس دن دو رکعت نماز ہے، جس میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اللہ عزوجل کے انعامات واحسانات کا بندہ شکریہ ادا کرتا ہے، اور یہ عہد وپیمان کرتا ہے کہ وہ ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے عین موافق گذارے گا، اس کے مقابل عام دنیا والوں کا مزاج تو یہ ہے کہ خوشی منانے کیلئے اپنے کام کو چھوڑ کر لہو ولعب، گپ شپ، موسیقی وآتش بازی وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے؛ لیکن اسلام نے اظہارِ مسرت کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ غریبوں کی غم خواری اور اچھے کھانے کپڑے کے علاوہ دو رکعت مزید بڑھا دیئے جائیں۔

﴿457﴾ مسلمانوں کیلئے ان دونوں عیدوں کی مشروعیت کے تعلق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہاں کے لوگوں کے سال میں دو دن تھے، جس میں لہو ولعب میں مشغول ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیسے دن ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ ان دنوں میں ہم جاہلیت کے زمانے میں کھیل کود کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ان دو دنوں کے بجائے دو بہتر دن مقرر کئے ہیں، اور وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں "انّ اللّٰہ قد أبدلکم بھما خیرًا منھما یوم الأضحی ویوم الفطر"(۱)

نمازِ عید کا حکم

نمازِ عید واجب ہے:

ارشاد خداوندی ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲) اپنے رب کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی دیجئے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب صلاۃ العیدین، حدیث: ۱۱۳۴، امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے، ذھبی نے بھی "تلخیص" میں یہی بات کہی ہے۔ (المستدرك: کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۱۵۹۱)

(۲) الکوثر: ۲

حضرات مفسرینؒ نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں نماز سے نماز عید اور نحر (قربانی) سے جانور کی قربانی مراد لیا ہے، اس میں صیغۂ امر وجوب کیلئے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ (۱) اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں طریقہ بتایا۔

اس آیت میں بڑائی بیان کرنے کا مطلب نمازِ عید ہے۔(۲)

نمازِ عید کی ترکیب

طلوعِ آفتاب کے کچھ بعد اور زوال سے پہلے بغیر اذان واقامت کے چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعت نماز باجماعت پڑھی جائے، پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین تکبیریں زائد کہی جائیں اور ہر تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیا جائے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیئے جائیں، امام جہراً قرأت کرے پھر رکوع وسجدہ کے بعد دوسری رکعت کا آغاز قرأت سے کرے، قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے بعد رکوع اور باقی نماز مکمل کی جائے۔

﴿458﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے "صلوة الأضحى ركعتان والفطر ركعتان على لسان نبيكم (۳)

گویا پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح اور تکبیر زوائد چار تکبیریں ہیں، اس طرح دوسری رکعت میں تین تکبیرات اور تکبیر رکوع، کل چار تکبیریں ہیں۔

﴿459﴾ حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کس طرح کہتے تھے، حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ چار تکبیرات کہتے تھے، جس طرح جنازہ میں چار تکبیرات ہوتے ہیں "فقال ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ كان يُكبّر أربع تكبيرات على الجنائز' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی اسی طرح چار تکبیرات کہتا تھا، جب

---

(۱) البقرہ: ۱۸۳ (۲) بدائع الصنائع: ۱/۶۱۶

(۳) ابن ماجه: كتاب تقصير الصلوة في السفر، حدیث ۱۴۴، البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

وہاں بصرہ میں حاکم تھا۔(۱)

﴿460﴾ ایک طویل حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یُکبّر أربعًا، ثمّ یقرأ، ثمّ یُکبّر، فیرکع، ثمّ یقوم فی الثانیة فیقرا، ثم یُکبّر أربعاً بعد القرأة“ امام چار تکبیرات کہے، پھر قرأت کرے، پھر تکبیر کہے، اور رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو اور قرأت کرے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیرات کہے۔(۲)

﴿461﴾ ”وعن عبد اللہ رضی اللہ عنه قال: التکبیر فی العید اربعًا کالصلاة علی المیت“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ: عید کی نماز میں (ایک رکعت میں) چار تکبیرات ہیں، جیسا کہ نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات ہیں۔(۳)

﴿462﴾ عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کبّر ابن عبّاس یوم العید فی الرکعة الاولٰی أربع تکبیرات، ثمّ قرأ، ثمّ رکع، ثمّ قام فقرأ ثمّ کبّر ثلاث تکبیرات سویٰ تکبیرة الرکوع“ (۴)

﴿463﴾ سند قوی کے ساتھ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو اختلافی مسائل تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے طئے ہوئے، ان میں یہ بھی مسئلہ ہے کہ عیدین کی نمازوں میں چار چار تکبیریں کہی جائیں، (پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کے ساتھ چار تکبیریں)۔(۵)

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ یا گیارہ تکبیرات زوائد بھی مروی ہیں، اور چار چار بھی ثابت ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل چار چار تکبیریں کہنے کا تھا، اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) ابوداؤد: باب التکبیر فی العیدین، حدیث:۱۱۵۳، علامہ نیموی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۴۹۸، باب صلا العیدین بست تکبیرات زوائد)

(۲) مصنف عبد الرزاق: کتاب صلاة العیدین، باب التکبیر فی الصلاة، ۵۶۸۷، علامہ نیموی نے کہا اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ابن حزم لکھتے ہیں: ”وهذا اسناد فی غایه الصحّة“ یہ سند بالکل صحیح ہے۔(اثارالسنن:۴۹۸)

(۳) مجمع الزوائد:۳۲۵۱، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں

(۴) محلی ابن حزم:۲۰۶/۳، یہ سند بے انتہا صحیح ہے، حافظ نے ”التلخیص“ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔(اعلاء السنن:۵۰۰، باب صلاة العیدین)

(۵) شرح معانی الآثار: باب التکبیر علی الجنازة، ۲۶۱۸، مع تحقیق: زہرا النجار

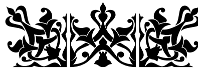
زمانہ میں اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا جواب اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق بھی اس کی دلیل ہے (تکبیرات کی زیادتی اور کمی کا یہ اختلاف صرف اس بنیاد پر ہے کہ بہتر طریقہ کونسا ہے، اور اس مذکورہ طریقہ کے بہتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے طریقے غلط یا ناجائز ہیں؛ اس لئے اس قسم کی لڑائیاں ملت میں پیدا کرنا بہت بڑی نادانی ہے)۔

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ(۳) بھی گیارہ تکبیروں کے قائل تھے، پہلی رکعت میں پانچ بشمول تکبیر تحریمہ وتکبیرِ رکوع کے اور دوسری رکعت میں چار بشمول تکبیر رکوع کے ...... جلیل القدر تابعین، حضرت سعید بن مسیّبؒ (۴) حضرت اسود بن یزیدؒ اور حضرت مسروقؒ (۵) حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ (۶) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شاگرد بھی یہی فتویٰ دیتے تھے۔(۷)

خطبہ عیدین

نماز کے بعد دو خطبے مسنون ہیں، جس میں وعظ ونصیحت کی جائے:

﴿464﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کو مصلی کی طرف نکلتے، سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں وعظ ونصیحت کرتے، احکامات بیان فرماتے، اور اگر کسی لشکر کو روانہ کرنا ہوتا تو اسی وقت روانہ کرتے، اور حکم صادر کرنا ہوتا تو حکم صادر کرتے اور پھر تشریف لے جاتے۔(۸)



(۱-۲) شرح معانی الاثار

(۳-۴-۵-۶) مصنف ابن ابی شیبہ

(۷)(مصنف عبد الرزاق) اوپر کی روایات کے تحت کتابوں میں ان روایات کو دیکھا جائے

(۸) بخاری: باب الخروج الی المصلی، حدیث:۹۵۶

مساجد اور عیدگاہوں میں عورتوں کی نماز

مساجد اور عیدگاہوں میں نماز وغیرہ کیلئے عورتوں کی آمد کے تعلق سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا مساجد میں آنا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ یہ نہیں ہے؛ بلکہ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ عورتوں کا مساجد اور عیدگاہوں میں آنا بہتر اور افضل ہے یا نہیں؟ کیا انہیں مساجد اور عیدگاہوں میں آنے کی ترغیب دی جائے اور ان کی اس بارے میں حوصلہ افزائی کی جائے یا انہیں گھر پر ہی نماز کی ادائیگی کی تلقین کی جائے، شرعاً کونسا امر بہتر ہے؟ خود نبی کریم ﷺ نے باوجود عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت مرحمت فرمانے کے ان کیلئے کونسی بات پسند کی ہے؟ مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کی یا گھر پر ہی نماز کی ادائیگی کی؟ جب اس تعلق سے احادیثِ رسول کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی چھان بین کی جاتی ہے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دورِ رسالت میں باوجودیکہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی، (اگرچہ کہ وہ چند ضروری وجوہات اور چند شرائط کی پابندی کے ساتھ تھی)؛ لیکن آپ ﷺ نے عورت کیلئے بہتر یہی قرار دیا تھا کہ وہ جس قدر ممکن ہوسکے اندرونی گوشے میں نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرے، چنانچہ بہت سی روایات اس بارے میں دلالت کرتی ہیں۔

﴿465﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها" عورت کی نماز اپنے گھر میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے۔(۱)

---

(۱) ابوداؤد: باب التشدید فی ذالك "ای فی خروج النساء" حدیث:۵۷۰، حاکم نے "مستدرک" میں اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبی نے یہی کہا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (خلاصة الأحکام: باب استحباب الجماعة للنساء، حدیث:۲۳۴۸، مؤسسة الرسالة، بیروت)

﴿466﴾ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"صلاة المرأة فی بیتھا خیر من صلاتھا فی حجرتھا ،وصلاتھا فی دارھا خیر من صلاتھا فی مسجد قومھا" عورت کی نماز اس کی اپنی کوٹھری میں گھر کے بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کے صحن میں محلے کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔(۱)

﴿467﴾ حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو؛ حالانکہ تمہارا گھر کے اندر کمرے میں نماز پڑھنا حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، حجرے میں نماز پڑھنا تمہارے برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، تمہاری برآمدے کی نماز اپنی قوم کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور اپنے قوم کی مسجد کی نماز سے تمہاری جماعت کی مسجد کی نماز بہتر ہے۔(۲)

﴿468﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ "ما صلّت امرأة من صلاة أحبّ الی اللہ من أشدّ مکانٍ فی بیتھا ظلمة "عورت کی نماز گھر کی سب سے گہری تاریک جگہ میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(۳)

﴿469﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:"المرأة عورة، و انّھا اذا خرجت، استشرفھا الشیطان، و انّھا اقرب ما تکون الی اللّٰہ وھی فی قعر بیتھا" عورت پردے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی جانب تانک جھانک کرتا ہے، جس وقت وہ اپنے گھر کے بالکل اندرونی حصے میں ہوتی ہے تو وہ اللہ عزوجل

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی: باب من اسمه محمد: حدیث:۹۱۰۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ''خلا بن مہاجر'' کے؛ چونکہ ابن ابی حاتم نے ان کے بیٹے کے علاوہ ان سے روایت کرنے والے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔(مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد، حدیث:۲۱۰۸)

(۲) مسند احمد: حدیث:۲۷۰۹۰، مع تحقیق: شعیب الارناؤط، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے عبداللہ بن اسود انصاری کے، ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد وغیر ذلك، حدیث:۲۱۱۵، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔(۱)

﴿470﴾ حضرت اُمّ سلمہؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خیر مساجد النساء قعر بیوتھنّ" (۲)

﴿471﴾ یحیٰی بن سعیدؒ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ عاتکہ بنت یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسجد میں جانے کی اجازت چاہتی تھیں تو آپؓ خاموش رہتے تھے تو وہ کہا کرتیں "واللّٰہ لأخرجنّ الّا أن تمنعنی" (بخدا میں ضرور جاؤں گی ورنہ آپ مجھے جانے سے روکئے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں روکا کرتے تھے۔(۳)

وہ منع اس وجہ سے نہیں کرتے تھے کہ حدیث میں اجازت ہے، لیکن ذاتی طور پر ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت عاتکہؓ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا، جس میں حضرت عاتکہؓ نے یہ شرط لگائی کہ وہ مسجد میں نماز کے لئے جائیں گی، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ حیلہ کیا کہ عشاء کی نماز میں راستہ کے کنارے چھپ گئے، جب وہ وہاں سے گذریں تو کمر پر مارا تب وہ گھر آ کر کہنے لگیں: اب لوگ بگڑ چکے ہیں پھر اس کے بعد نہیں نکلا کرتی تھیں۔(۴)

ان تمام روایات سے پتہ چلا کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا، مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل اور بہتر ہے،، جو عمل افضل اور بہتر ہوتا ہے، وہ ثواب کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، سنتِ نبوی پر عمل اور اس کے ساتھ عشق ومحبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کسی بھی عمل کے جائز پہلو کے بجائے اس کے بہتر اور برتر پہلو کو اپنایا جائے۔

رہی وہ روایتیں جن سے عورتوں کے پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ وعیدین میں شرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے، خود ان روایات کے سیاق وسباق اور ان کے الفاظ اور لب ولہجہ سے یہ پتہ چلتا ہے

---

(۱) الطبرانی فی الکبیر: حدیث:۹۳۶۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد : باب خروج النساء إلي المساجد ،حدیث:۲۱۱۶)

(۲) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد وغیر ذالك، حدیث:۲۱۰۵، اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مؤطا مالك: باب ما جاء فی خروج النساء الی المساجد ، حدیث نمبر:۲۷۶

(۴) اوجز المسالك: ۲۰۹/۴

کہ یہ ان کی مسجدوں اور عیدگاہ میں حاضری بھی مطلق نہیں تھی؛ بلکہ کچھ شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ تھی، وہ بھی بغرض تعلیم وتعلّم کے ہوا کرتی تھی؛ چونکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، جس طرح مرد حضرات کیلئے ''صفہ'' میں دینی وشرعی احکام کے سکھانے کا نظم تھا، عورتوں کیلئے اس طرح کا کوئی نظم نہیں تھا؛ اس لئے آپ ﷺ کے خطبات وطریقۂ عبادات اور احکام شرعیہ کے علم حاصل کرنے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ خود بنفس نفیس مساجد میں آکر براہِ راست آپ ﷺ کے عمل کو دیکھیں اور باتوں کو سنیں، چنانچہ وہ روایت جس میں کنواری، سیانی لڑکیوں، پردہ نشین خواتین اور حیض ونفاس والی عورتوں کو عیدگاہ لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔(۱)

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتیں جو عیدگاہ کو جاتی تھیں، تو نماز مقصود نہیں تھی؛ بلکہ تعلیم مقصود تھی؛ کیونکہ حائضہ اور نفاس والی عورتوں کیلئے عیدگاہ جانا لاحاصل ہے، کیوں کہ ان کیلئے اس حالت میں نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں عیدگاہ جانے کا حکم دیا، اس سے پتہ چلا کہ دورِ رسالت میں خواتین کی پنج وقتہ نمازوں، جمعہ وعیدین میں شرکت، تعلیم وتعلّم اور احکامِ شرعیہ کے جاننے کیلئے ہوتی تھی۔

اجازت کے زمانہ کی شرطیں

پھر آپ ﷺ خواتین کو مسجد میں آنے کی جو اجازت مرحمت کی تھی اس کے بھی کچھ آداب مقرر کئے تھے، ان حدودِ شرعیہ اور احتیاطی پہلوؤں کی رعایت کے ساتھ وہ مساجد میں آیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں عورتوں کو رات میں مساجد میں آنے کی اجازت دینے کا حکم ہے: "ائذنوا النساء الی المساجد" (۲)

اس میں لفظ" ائذنوا "خود اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ عورتوں کیلئے بغیر اجازت کے گھر سے نکلنا درست نہیں، خواہ عبادت اور اطاعت ہی کیلئے کیوں نہ ہو، اور یہ بھی کہ وہ نامحرم کے ساتھ نہ آئیں، اور اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسجدوں میں آنے کی یہ اجازت ان نمازوں میں تھی جو تاریکی میں پڑھی جاتی تھیں؛ چونکہ اس وقت بے پردگی سے حفاظت کا قدرے

---

(۱) ترمذی: باب خروج النساء فی العیدین، حدیث:۵۳۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) ترمذی: باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، حدیث:۵۷۰، امام ترمذی فرماتے ہیں: ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے۔

انتظام ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ خواتین کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ دیدہ زیب کپڑے اور خوشبو کا استعمال کر کے نہ آئیں۔(۱)

تمہید کی روایت میں ہے: لوگو! اپنی خواتین کو مسجدوں میں خوشبو کے استعمال اور آرائشی لباس سے منع کرو؛ کیونکہ بنی اسرائیل اسی وقت ملعون ٹھہرائے گئے جب ان کی عورتوں نے آرائشی لباس اور خوشبو کا استعمال مسجدوں میں شروع کردیا"وانھو نساء کم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد فانّ نساء بنی اسرائیل لم یمنعوا الاّ لبس الزینۃ وتبخترھا فی المساجد" (۲)

اس بارے میں ایک حکم یہ تھا کہ عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں پھر مرد حضرات نکلیں اور عورتیں مردوں سے پہلے سجدہ سے سر نہ اٹھائیں؛ کیونکہ اس زمانے میں تنگی کی وجہ سے مردوں کا نچلا لباس نامکمل ہوا کرتا تھا؛ اس لئے ستر وغیرہ کے سلسلے میں بے احتیاطی نہ ہو، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: عورتیں مردوں سے پہلے سجدے سے سر نہ اٹھائیں۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ دورِ رسالت میں خواتین حد درجہ ان امور کے اہتمام کے ساتھ مساجد میں آیا کرتی تھیں، اس کے علاوہ فتنہ وفساد کا خطرہ بھی بہت کم تھا؛ چونکہ نماز کے وقت صورتحال یہ ہوتی تھی کہ تمام لوگ مسجد میں حاضر ہوتے؛ حتی کہ منافقین کی بھی مجال نہیں تھی کہ وہ نماز میں شرکت سے رہ جائیں، اس لئے اس بات کا بالکل خطرہ نہ تھا کہ راستہ میں اَوباش لوگ اور راہ گیر ان سے چھیڑ چھاڑ کریں۔

اس زمانہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دے کر کیا اس بات کی ضمانت دی جاسکتی ہے کہ عورتیں ان مذکورہ بالا شرائط کے اہتمام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوسکیں گی؟ اور راستوں کو دورِ رسالت کی طرح پُر امن بنایا جاسکے گا؟ جب کہ دورِ رسالت سے تھوڑے سے بُعد اور دیری کے بعد احوال اس قدر بگڑ گئے تھے کہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم وصحابیاتؓ نے عورتوں کی مسجد میں حاضری کی تائید سے گریز کیا تھا تو آج کے پرفتن دور کا کیا پوچھنا؟۔

﴿472﴾ حضرت عائشہؓ بذات خود عورت ہونے کے عورتوں کے احوال سے زیادہ واقف تھیں،

---

(۱) ابوداؤد: باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، حدیث:۵۶۵

(۲) فتح القدیر: باب الامامۃ: ۲/۲۱۵

چنانچہ وہ عورتوں کے مسجد میں آنے کے حق میں نہ تھیں، چنانچہ وہ فرماتی ہیں: لو أدرك رسول اللّٰہ ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني اسرائيل، فقلتُ لعمرة: أومُنعن، قالت: نعم" (۱)

آج خواتین کے ساتھ جو رویہ ہے، اگر رسول اللہ ﷺ اُسے دیکھے ہوتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیئے ہوتے، جیسے بنی اسرائیل کی خواتین کو روک دیا گیا تھا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عمرۃ سے پوچھا: کیا وہ روک دی گئی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا، ہاں۔

﴿473﴾ ابوعمرو شیبانی ؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد سے نکال دیا کرتے تھے، اور کہتے تھے: گھر چلی جاؤ، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے "يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول اُخرجن الى بُيوتكنّ، خيرلكنّ" (۲)

خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جن کا ترمذی کی مذکورہ بالا روایت کے بیان کے دوران جس میں عورتوں کے رات میں آنے کی اجازت کا ذکر ہے، اپنے لڑکے کو دورانِ حدیث یہ کہنے پر ڈانٹا کہ ہم انھیں مسجد میں نہیں بھیجیں گے، ورنہ تو وہ اسے فتنہ کا ذریعہ بنالیں گی، (جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ڈانٹنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے لڑکے کی یہ بات درست نہیں تھی؛ بلکہ حدیث کے ذکر کے دوران اپنی رائے کے اظہار سے حدیث کے ساتھ مخالفت کا شبہ ہو رہا تھا) ان سے بسند صحیح یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنی خواتین کو عیدین میں نہیں بھیجتے تھے: "انّه كان لا يُخرج نساء ه فی العيدين" (۳)

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں خواتین کی نماز

جن روایات میں عورتوں کے مسجد میں آنے کی اجازت کا ذکر ہے، وہ مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے؛ کیونکہ دورِ رسالت میں مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی

---

(۱) مسلم: باب، خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة، حدیث: ۴۴۵

(۲) مجمع الزوائد: حدیث: ۲۱۱۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مصنف ابن ابی شيبة: باب من كره خروج النساء الى العيدين، حدیث: ۵۸۴۵

تھیں، مدینہ منورہ کی دیگر مساجد میں عورتیں شاذ ونادر ہی جاتی تھیں۔

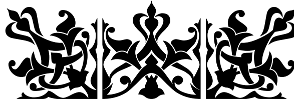
آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجدِ نبوی میں تین وجہ سے آتی تھیں: (۱) سنتِ نبوی کا علم حاصل کرنے کیلئے۔ (۲) نبیٔ رحمت ﷺ کی زیارت کیلئے۔ (۳) جگہ کی برکت کی وجہ سے۔

اور مسجد حرام میں دو مقصد سے آتی تھیں: (۱) بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے۔ (۲) جگہ کی برکت کی وجہ سے۔

مسجد حرام میں آج بھی وہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اور مسجد نبوی میں اب پہلی وجہ نہیں رہی؛ کیونکہ دین مکمل ہو چکا، اور وہ کتابوں میں محفوظ ہے؛ البتہ جگہ کی برکت اور حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت یہ دو مقصد آج بھی باقی ہیں؛ اس لئے عورتیں ان دو مسجدوں میں جاسکتی ہیں، بقیہ مساجد میں جانے کی اس طرح کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

﴿474﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”ما صلت امرأة خير لها عن قعر بيتها الا ان يكون المسجد الحرام او المسجد النبی ﷺ“ عورت کے اپنے گھر کے بالکل اندر نماز پڑھنے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ہو۔ (۱)

مذکورہ بالا پوری بحث سے پتہ چلا کہ فتنے کے اس دور میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔



(۱) طبرانی فی الکبیر: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء، حدیث: ۲۱۱۳)

نمازِ استخارہ

استخارہ کہتے ہیں: اللہ تعالی سے خیر اور بہتری کو طلب کرنا، استخارہ اس وجہ سے مشروع کیا گیا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کرنا چاہتا ہے، مگر اسے کام کا انجام معلوم نہیں ہوتا ،ایسی صورت میں سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنا بھی مسنون ہے، اور نماز استخارہ اور استخارہ کی تعلیم فرمودہ دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرنا بھی ہے،...... زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا تھا مثلاً کسی جگہ کا سفر، یا نکاح یا کوئی بڑا سودا، تو وہ تیروں سے فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبے کے مجاور کے پاس ہوتے تھے، ان میں سے کسی میں لکھا ہوتا "اَمَرَنِیُ رَبّی" اور کسی پر لکھا ہوتا "نَھَانِیُ رَبِّیُ" اور کوئی تیر بے نشان ہوتا، اس پر کچھ لکھا نہ ہوتا، مجاور تھیلا ہلا کر فال طلب کرنے والے سے کہتا کہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لو، اگر "امر نی ربی" والا تیر ہاتھ آتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی، سورۂ مائدہ میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔(۱)

چونکہ ایک تو یہ بے بنیاد عمل ہے، اور محض اتفاق ہے اور دوسرے یہ اللہ پر بہتان ہے کہ اللہ پاک نے یہ حکم کہاں دیا ہے؟ اور کب منع کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اس فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی، اس میں براہِ راست اللہ عزوجل سے بندہ رہنمائی کا طالب ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے فیضان کا دروازہ کھلتا ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی؟ روایات میں اس کا ذکر نہیں، بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ یہ رہنمائی خواب کے ذریعہ ہوتی ہے، پھر کبھی خواب واضح ہوتا ہے اور کبھی تعبیر طلب اور کبھی رہنمائی اس طرح ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے کا شدید داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے، یا اس سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ان دونوں کیفیتوں کو من جانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اگر استخارہ کے بعد بھی تذبذب باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے اور جب

(۱) سورة المائدة:۳

تک ایک طرف رجحان نہ ہو عملی اقدام نہ کرے۔

﴿475﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اس اہتمام سے سکھاتے تھے، جس اہتمام سے قرآن کی سورتوں کو تعلیم فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بتلاتے تھے کہ پہلے دو رکعت نفل پڑھے اور اس کے بعد اللہ سے دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ، وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ، ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ، وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ، فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ، وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ، ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ.

اے اللہ! میں تجھ سے تیری صفتِ علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفتِ علم اور قدرت کے وسیلہ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں؛ کیونکہ تو قادرِ مطلق ہے اور میں عاجز ہوں، تو ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور میں نہیں جانتا، اور تو سارے غیبوں سے واقف ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ''یہ کام'' میرے لئے اچھا ہے، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے، تو اس کو میرے لئے مقدَّر فرما، اور میرے لئے اس کو آسان فرما، اور مجھے اس میں برکت دے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ''یہ کام'' برا ہے، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے، تو مجھ کو اس کام سے الگ رکھ، اور مجھے اس سے روک دے، اور میرے لئے خیر اور بھلائی مقدر کردے، چاہے وہ جہاں اور جس میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام سے راضی اور مطمئن کردے۔

راوی کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جس کام کے بارے میں استخارہ کی ضرورت ہو، استخارہ کی دعا کرتے ہوئے، صراحۃً اس کا نام لے ''ھذا الأمر'' کہتے وقت جس مقصد کے پیشِ نظر استخارہ کیا جارہا ہو، اس کو ذہن میں رکھا جائے، یا اس جگہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔(۱)

---

(۱) بخاری: باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی، حدیث:۱۱۶۲

یہ ہے استخارہ کا مسنون طریقہ، اس کے علاوہ موجودہ دور میں استخارہ کے جو بے شمار طریقے رِواج پا گئے ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، یہ سب خرافات ہیں اور لوگوں کو لبھانے اور رُجھانے کے طریقے ہیں۔

یہاں استخارہ کے حوالے سے چند اُمور ملاحظہ ہوں:

۱- اولاً تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے، رات و دن میں، عشاء کی نماز کے بعد کی قید کے بغیر محض جب استخارہ کا ارادہ ہو، دو رکعت نماز پڑھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مذکورہ دعا کرے اور بس۔

استخارہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ارادہ بھی کرلو، پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو، استخارہ تو ارادہ سے پہلے کرنا چاہئے، تاکہ ایک طرف قلب کو سکون ہو جائے۔

استخارہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس کام کا ارادہ ہے اس میں تردد ختم ہو جائے؛ بلکہ استخارہ کا مقصود یہ ہے کہ بندہ خدا تعالی سے دعاء کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، حاصل یہ ہے کہ استخارہ کا مقصود طلب خیر ہے نہ کہ استخبارہ (خبر معلوم کرنا) استخارہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ استخارہ کے بعد وہ چیز اللہ کے حوالے ہو جاتی ہے، اگر مضرت اور ظاہری نقصان ہو بھی تو بندہ باطنی خیر کی امید میں اپنے لئے تسلی کا سامان فراہم کر لیتا ہے۔(۱)

۲- یہ بھی ضروری نہیں کہ استخارہ کے بعد خواب نظر آئے گا جس میں کام کے کرنے یا نہ کرنے کے حوالہ سے رہنمائی ہوگی، بعض مرتبہ یہ رہنمائی خواب کے ذریعہ ہوگی اور کبھی خواب کے ذریعہ نہیں ہوگی، بس استخارہ کے بعد دل کا رُجحان جس جانب ہو جائے اس پر عمل پیرا ہو، اگر استخارہ کے بعد بھی بالفرض دل کا رُجحان کسی جانب نہ بھی ہو، تب بھی استخارہ کا فائدہ بندے کو حاصل ہو گیا کہ اَب اللہ کی جانب سے خیر اور بھلائی کو طلب کرنے سے اس کیلئے بھلائی اور اچھائی کے راستے منجانب اللہ کھلتے رہیں گے، گرچہ وقتی طور پر بندے کو اس میں خیر اور بھلائی نظر آئے؛ لیکن جب چند دن کے بعد اس کے نتائج وعواقب بندے کے سامنے آئیں گے تو پھر خیر اور بھلائی کا پہلو خود بخود بندے کیلئے واضح ہو جائے گا، اسی کو

---

(۱) اسلامی شادی: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی: ٦٩

حضرت ابن عمرؓ نے یوں فرمایا: "ان الرجل یستخیر الله تبارك و تعالیٰ فیختار له فیسخط علی ربّه عزوجل، فلا یلبث أن ینظر العاقبة فاذا هو خیر له (کتاب الزهد لابن المبارکؒ)" بعض اوقات بندہ اللہ عزوجل سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کے حق میں بہتری کا فیصلہ کردیتے ہیں، (سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے) وہ اپنے پروردگار پر ناراض ہوجاتا ہے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد انجام سامنے آجاتا ہے تو اُسے پتہ چلتا ہے کہ یہی چیز اس کے حق میں بہتر تھی۔

۳- یہ بھی ملحوظ رہے کہ استخارہ کرنے والا کبھی ناکام یا نامراد نہیں رہتا، ویسے تو استخارہ کے بعد آدمی ناکام ہرگز نہیں ہوتا، اگر بالفرض اس کی محدود سوچ کے مطابق اِسے استخارہ کے بعد اس عمل میں کچھ کمی یا نقص نظر آئے تو اب بھی اس کیلئے اس میں اپنی تسلی کا بہت سارا سامان موجود ہے کہ اُس نے اپنی رائے اور محض اپنی ذہنی پرواز پر اعتماد کر کے کام نہیں کیا، بلکہ میں نے اس حوالے سے سب سے علیم وخبیر ذات سے مشورہ کرلیا ہے، اسی کو حضور ﷺ نے یوں فرمایا: ما خاب من استخار ولا ندم من استشار (۱) اپنے معاملات میں استخارہ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوا، اور نہ اپنے کاموں میں مشورہ کرنے والا کبھی نادم ہوا۔ یعنی ایک استخارہ اور دوسرے مشورے سے انشاء اللہ سارے مسائل کا حل بھی نکلتا ہے۔

۴- مذکورہ بالا مسنون طریقہ استخارہ اس وقت کیلئے ہے جب آدمی کے پاس استخارہ کرنے کی مہلت اور گنجائش موجود ہو لیکن بسا اوقات ایسے دوراہے پر ہوتا ہے، اس کو اتنا جلدی فیصلہ اپنانا ہوتا ہے کہ اس میں دو رکعت پڑھ کر دُعا کرنے کی فرصت نہیں ہوتی، اس موقع سے حضورِ اکرم ﷺ نے یہ دُعائیں تلقین فرمائیں:

اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْ لِیْ (۲)

اے اللہ! میرے لئے آپ پسند فرما دیجئے، مجھے کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

اور ایک دُعا ہے: **اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ** (۳)

---

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث: ۹۸۰

(۲) سنن ترمذی، باب ۸۶، حدیث: ۳۵۱۶

(۳) مسلم، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر، حدیث: ۲۷۲۵

اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمایئے اور مجھے سیدھے راستہ پر رکھئے۔

اور ایک دُعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ (۱)

اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر اِلقا فرما دیجئے۔

اِن دُعاؤں میں جو یاد آجائے پڑھ لے، اگر عربی میں یاد نہ ہوں تو اُردو میں ہی دُعا کرے، اے اللہ! مجھے اس معاملہ میں کشمکش پیش آگئی ہے، آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجئے۔ اگر زبان سے نہ کہے تو دل ہی دل میں کہہ لے، اللہ کی طرف رُجوع کرے کہ صحیح بات کا اِلقاء اس کے دل میں کر دے۔

لذتِ شب بیداری

حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں: میں نے بیس سال نمازِ تہجد میں مشقت اُٹھائی (جب وہ طبیعت میں راسخ ہوگئی تو) بیس سال اُس کا لطف اُٹھایا۔ (صفۃ الصفوۃ:۳/۲۶۰)

حضرت حسن بصریؒ سے ایک جوان نے نمازِ تہجد سے محرومی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: **قَیَّدَتْکَ خطایاک** تیرے گناہوں نے تجھے جکڑ دیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ:۳/۲۳۵)

حسان بن سنان کی بیوی فرماتی ہیں کہ وہ رات میں میرے پاس آتے، اور مجھے نرمی سے سلا دیتے پھر خود نماز میں کھڑے ہو جاتے، میں ان سے کہتی کہ اپنے آپ کو کتنا تھکاؤ گے، رحم کرو! ارشاد فرماتے خاموش ہو جاؤ! وہ دن قریب ہے جس دن میں ایسا سو جاؤں گا کہ پھر نہیں جاگوں گا۔
(الزہر الفاتح ص/۱۸، حلیۃ الاولیاء:۳/۱۱۷)

وہ اسباب جن سے آدمی کو رات کے اُٹھنے میں آسانی ہوتی ہے:

(۱) زیادہ نہ کھائے، نتیجتاً زیادۃً پیو گے، پھر نیند غالب آجائے گی۔

(۲) دن بھر ان دنیوی اعمال میں زیادہ نہ تھکاؤ، جو اعصاب و جوارح کو کمزور اور مضمحل کر دیتے ہیں۔

(۳) دن میں قیلولہ کی سنت نہ چھوڑیں، اُس سے قیام اللیل میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴) دل کو بدگمانی، حسد نامحرم کے خیالات سے پاک رکھیں۔

(۵) دن میں گناہوں سے احتیاط، گناہوں پر نقد عذاب یہ ہوتا ہے کہ بندہ لذتِ مناجات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۶) اُمیدوں کو کم کر کے آخرت، قبر، پل صراط کے سفر کو یاد رکھیں۔

---

(۱) ترمذی، باب ۷۰، حدیث:۳۴۸۳

نمازِ جنازہ

دنیا میں ہر ایک کیلئے موت طئے شدہ ہے،موت کے اس خدائی قانون سے کسی کو مفر نہیں،ایک دن اس جہانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے،مرنے کے بعد چلے جانے والے کے غم میں طبعی طور پر اس کے اقرباء پریشانی کے عالم میں ہوتے ہیں؛لیکن اس وقت شریعت کی رہنمائی ورہبری میں مردے کو اس کے ٹھکانہ تک پہنچانا ہے۔

جب کسی پر موت کے آثار نمایاں ہونے لگیں تو گھر والوں کو چاہیے کہ مریض کے قریب آہستہ آہستہ کلمہ دوہراتے رہیں؛ تاکہ مبتلائے موت کو بھی کلمہ یاد آجائے، اور وہ اِسے پڑھ لے؛ لیکن ایسے وقت میں اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کیا جائے اور نہ اصرار کیا جائے؛ کیوں کہ یہ وقت سختی کا ہوتا ہے، ہوش وحواس پورے قائم نہیں رہتے ، مبادا وہ پڑھنے سے انکار کردے......نعوذ باللہ۔

﴿476﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقّنوا موتاکم بلا الٰہ الّا اللّٰہ (۱)

﴿477﴾ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " من کان اٰخر کلامه لا اله الا اللّٰه دخل الجنّة "جس کی آخری بات " لا الٰہ الّا اللّٰہ " ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۲)

جب اس کی روح قبض کرلی جائے تو کپڑے وغیرہ سے اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور آنکھیں بند کردی جائیں، کیوں کہ جب روح اوپر جاتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے لگ جاتی ہے:

﴿478﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردوں کی آنکھیں بند کردیا کرو، اور اپنوں کیلئے اچھی دعا

(۱) مسلم: باب تلقین الموتی لا الٰہ الا اللّٰہ، حدیث:۹۱۶

(۲) ابوداؤد: باب مایقال عندالمیت من الکلام ،حدیث:۳۱۱۶،علامہ نیموی فرماتے ہیں:اس کو ابوداؤد اور دیگر لوگوں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔(اثار السنن:۵۲۱،باب تلقین المختضر)

کیا کرو؛ کیونکہ فرشتے ''آمین'' کہتے ہیں''أنّ الروح اذا قُبض تبعه البصر ،لا تدعوا علٰى أنفسكم الاّ بخير ،فانّ الملٰئكة يُؤمنون على ماتقولون'' (۱)

جنازہ کی نماز کا طریقہ

جب میت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جائیں تو فوراً چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائیں، پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ''ثناء'' (سبحٰنك اللهم......) یا بطور حمد وثناء کے سورہ فاتحہ پڑھیں، دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر درود شریف پڑھیں، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا مانگیں اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں۔

﴿479﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نجاشی کی وفات کی خبر دی، پھر آگے بڑھے، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بندی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں'' فكبّر أربعا '' (۲)

﴿480﴾ حضرت امام شعبی کا قول ہے کہ:''التكبيرة الأولٰى على الميّت ثناء على الله والثانية صلاة على النبى صلی اللہ علیہ وسلم، والثالثة دعاءُ للميّت، والرابعة تسليم'' پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد وثناء ہے، دوسری تکبیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا کرنا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا۔(۳)

تکبیراتِ جنازہ

جنازہ میں چار تکبیرات ہیں:

﴿481﴾ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ روایت جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے ''فكبّر اربعًا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں، اس کا مضمون بالکل واضح ہے۔(۴)

﴿482﴾ امام اوزاعی یحیٰی بن کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ ابو سلمہؓ سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) مسلم: باب فى اغماض الميت و الدعاء لهٗ اذا حُضر ،حدیث:۹۲۰

(۲) بخاری:الصفوف على الجنازة، حدیث:۱۳۱۸

(۳) مصنف بن ابی شيبة: باب ما يبدأ به با لتكبيرة الأولٰى فى الصلوة عليه، حدیث:۱۱۴۹۶
اس روایت کی سند صحیح ہے۔

(۴) بخاری: الصفوف على الجنازة ،حدیث:۱۳۱۸

کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، اور چار تکبیریں کہیں "ان النبی ﷺ صلی علی جنازة فکبّر اربعًا" (۱)

﴿483﴾ امام بخاریؒ نے ابوحمید سے تعلیقاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تین تکبیریں کہی، پھر ان سے کہا گیا تو انہوں نے قبلہ رخ ہو کر چوتھی تکبیر کہی، پھر سلام پھیرا۔ (۲)

﴿484﴾ حضرت سعید بن مسیّبؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تکبیر چار اور پانچ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار پر اکھٹا کر دیا " فجمع عمر الناس علی أربع "(اس کو ابن منذرؒ نے سعید بن مسیّبؒ تک صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (۳)

﴿485﴾ بیہقی کی روایت میں بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل مروی ہے "فجمع عمر علی أربع" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار پر اکھٹا کیا۔ (۴)

﴿486﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کا چار تکبیرات جنازہ پر اتفاق ہے، اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی ہے۔ (۵)

﴿487﴾ ہمیں ابوحنیفہؒ نے خبر دی ہے وہ حماد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ جنازہ میں پانچ چھ اور چار تکبیریں کہتے تھے، حضور ﷺ کی وفات تک یہی صورت حال رہی، پھر وہ لوگ یہی تکبیریں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کہتے رہے، پھر وہ بھی وفات پا گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باگ خِلافت سنبھالی، ان کے دورِ خلافت میں بھی یہی معمول رہا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورتحال دیکھی تو فرمایا: اے محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تم لوگ کب تک اختلاف کرتے رہو گے کہ اس کی وجہ سے بعد کے لوگ بھی اختلاف کرنے لگیں اور لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق بالکل نیا ہے، اصحاب محمد ﷺ کی یہ رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے آخری جنازہ کو دیکھا جائے کہ

---

(۱) اس کو ابن ابوداؤد نے "الافراد" میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن :۲۶۶/۸، کیفیة صلاة الجنازة)

(۲) بخاری: باب التکبیر علی الجنازة اربعًا، رقم الباب :۶۴، کتاب الجنائز

(۳) فتح الباری: باب التکبیر علی الجنازة اربعًا:۲۰۲/۳

(۴) فتح الباری: باب التکبیر علی الجنازة اربعًا: ۲۰۲/۳، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبة: ما قالو فی التکبیر علی الجنازه من کبّر اربعا، ۱۱۵۶۵

آپ ﷺ نے کتنی تکبیریں کہیں، اسی کو لیں اور اس کے علاوہ کو ترک کر دیں، انہوں نے اس حوالے سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے آخری جنازہ میں چار تکبیریں کہی ہیں "فوجدوا اٰخر جنازۃ کبّر علیھا رسول اللہ ﷺ اربعًا" (۱)

﴿488﴾ امام ترمذیؒ اس حوالہ سے اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"العمل علی ھذا عند أکثر اھل العلم من أصحاب النبی ﷺ وغیرھم ، یرون التکبیر علی الجنازۃ أربع تکبیراتٍ وھو قول سفیان الثوری ، ومالك بن انس، وابن المبارك ،والشافعی واحمد واسحاق (۲)

اور اسی پر عمل ہے ، اکثر اہل علم کا، حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات (تابعین وغیرہ) کا کہ جنازہ میں چار ہی تکبیرات ہیں اور یہی قول ہے حضرت سفیان ثوریؒ، اور امام مالکؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاق کا۔

تکبیر جنازہ میں رفع یدین

ہاتھ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ اٹھائے جائیں اور باقی کے ساتھ نہ اٹھائیں:

﴿489﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے " کبّر علی جنازۃٍ، فرفع یدیہ فی أوّل تکبیرۃٍ ثمّ وضع الیمنی علی الیسری "(۳)

﴿490﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز کی

---

(۱) کتاب الاثار :۴۰،حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حضرت ابوبکرصا ورنہ عمرص اور نہ ہی اور کسی صحابی سے سنا ہے اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے اس کے کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابراہیم نخعیؒ کے مراسیل باتفاق فقہاء اور محدثین کے صحیح ہیں، اعلاء السنن:۲۶۴/۸

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی لتکبیر علی الجنازۃ ، تحت حدیث:۱۰۲۲

(۳) ترمذی: باب ما جاء فی رفع الیدین علی الجنازۃ، حدیث:۱۰۷۷، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اور یہ صرف اسی طریق سے منقول ہے، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ترمذی کی سند میں ایک راوی ''یزید بن سنان ابوفروہ'' یہ ضعیف ہیں "التھذیب:۲۳۹"، لیکن امام بخاری نے ان کی توثیق کی ہے "الترغیب: ۵۳۰" مروان ابن معاویہ انہیں ثابت مانتے ہیں، علامہ عثمانی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث کثرت طرق کی وجہ سے حسن درجہ سے کم نہیں۔(حاشیہ اعلاء السنن: ۲۶۶/۸)

پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے اور دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے، ”کان یرفع یدیه علی الجنازة فی أول تکبیرة، ثمّ لا یعود“ (۱)

﴿491﴾ حضرت ولید بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کو دیکھا ہے کہ وہ جب نماز پڑھاتے تھے، تو دونوں ہاتھ اٹھا کر (پہلی) تکبیر کہتے تھے، پھر باقی تکبیروں میں رفعِ یدین نہیں کرتے تھے، اور آپ چار تکبیریں کہتے تھے، ”اذا صلی علی جنازة رفع یدیه فکبّر ثمّ لا یرفع یدیه فیما بقی و کان یُکبّر أربعًا“ (۲)

﴿492﴾ حضرت حسن بن عبیدؒ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں رفعِ یدین کرتے تھے ”کان یرفع یدیه فی اوّل تکبیرةٍ علی الجنازة“ (۳)

﴿493﴾ قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کے بارے میں نبی ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں، جو دلیل بننے کے قابل ہو اور صحابۂ کرام آپ رضی اللہ عنہم نے کتنی کے اقوال وافعال حجت نہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی رفعِ یدین کرنے پر اقتصار کیا جائے، ”فینبغی أن یقتصر علی الرفع عند تکبیرة الاحرام“ (۴)

پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھے :

”سُبحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیرُکَ“

اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں، تیرا نام بڑا برکت والا ہے، اور تیری ثناء وتعریف بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

---

(۱) دار قطنی: باب التسلیم فی الجنازة واحد، اس روایت کے ایک راوی ”فضل بن سکن“ کو عقیلی نے مجہول کہا ہے، علامہ ذھبی نے ”میزان الاعتدال“ میں کہتے ہیں: میں فضل بن سکن کوفی کو نہیں جانتا ان کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے، ”اللسان“ میں ہے یہ فضل بن السکن یہ فضل بن السکن بن سخیت ہیں یہی ہشام بن یوسف سے روایت کرتے ہیں، یہ تینوں اشخاص ایک ہی ہیں، ان کو ابن حبان ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، پھر علامہ عثمانی نے اس روایت کو متعدد سندوں سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن درجہ سے کم نہیں۔ (اعلاء السنن: ۲۶۷/۸)

(۲) مصنف ابن ابی شیبه :باب الرجل یرفع یدیه فی التکبیر علی الجنازة:۱۱۵۰۴

(۳) مصنف ابن ابی شیبه: باب فی الرجل یرفع یدیه فی التکبیر علی الجنازة، با ب من قال یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة علی الجنازة : ۱۱۵۰۵

(۴) نیل الاوطار :باب القرأة والصلاة علی رسول الله فیها، ۴۴۹/۴

دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے:

تیسری تکبیر کے بعد مندرجۂ ذیل دعا پڑھے:

﴿494﴾ ابوابراہیم اشہلیؒ کے والد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جنازہ پر یہ دعا پڑھتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَان"

اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں، عورتوں کو بخش دے، اے اللہ! تو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ، اور ہم میں سے جس کو موت دے تو ایمان کی حالت میں دے۔(۱)

نابالغ کی دعاء

اگر میت نابالغ بچہ ہو تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَ فَرَطًا وَاَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا"

اے اللہ اس بچہ کو ہمارے واسطے آگے جانے والا اور پیشرو بنادے، اور اجر اور ذخیرۂ آخرت بنادے اور اس کو ہمارے واسطے سفارش کرنے والا، اور ایسا بنا، جس کی سفارش مقبول ہو۔(۲)

اگر میت نابالغ بچی کی ہو تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً"

(۱) ابوداؤد: باب الدعاء للميت ، حدیث:۳۲۰۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) بخاری: تعليقاً عن الحسن ، باب قرأة الفاتحة على الجنائز ، كتاب الجنائز

اے اللہ! اس بچی کو ہمارے واسطے آگے جانے والی اور پیشرو بنادے اور اجر اور ذخیرۂ آخرت بنادے اور اس کو ہماری سفارش کرنے والی اور ایسی بنادے جس کی سفارش مقبول ہو۔

چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے

﴿495﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کی نماز پڑھاتے تو اللہ کی حمد وثناء سے ابتداء کرتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے، پھر یہ دعا مانگتے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَحْيَائِنَا وَاَمْوَاتِنَا، وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوْبَنَا عَلٰى قُلُوْبِ خِيَارِنَا

اے اللہ! ہمارے زندہ اور مردوں کی مغفرت فرما، ہمارے دلوں کو جوڑ دے، ہمارے تعلقات کو درست فرما، ہمارے دلوں کو بہتر لوگوں کے دلوں کے مطابق بنا۔(۱)

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد وثناء سے ابتدا کرے، دوسری تکبیر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے: "التکبیرة الأولی یبدأ بحمد اللّٰه والثناء علیه، والثانیة صلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، والثالثة دعاء للمیت والرابعة للتسلیم" (۲)

نمازِ جنازہ میں قرأت

نمازِ جنازہ دراصل میت کیلئے دعا ہے؛ اس لئے نماز جنازہ میں قرآن کا پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ ہاں البتہ ثناء کی جگہ پر اگر سورۂ فاتحہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔

﴿496﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نمازِ جنازہ پڑھو تو اس کیلئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو "اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا له الدعاء" (۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کیلئے دعا کا حکم دیا، نمازِ جنازہ میں قرأت کیلئے نہیں کہا۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: ما قالوا فی الصلاة علی الجنازة ،وما ذکر فی ذالك من الدعاء له حدیث:۱۱۴۷۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: باب ما یبدأ به بالتکبیرة الاولی فی الصلاة علیه، ۱۱۴۹۳

(۳) ابوداؤد: باب الدعاء للمیّت ،حدیث:۳۱۹۹،"بلوغ المرام" میں ہے: اس کو ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے (اعلاء السنن:۲۶۸/۸)

﴿497﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب جنازہ نماز کیلئے رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں، پھر یہ دعا پڑھتا ہوں:

"اَللّٰھُمَّ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ کَانَ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ، اَللّٰھُمَّ وَاِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِہٖ وَ اِنْ کَانَ مُسِیْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْہُ سَیِّئَاتِہٖ، اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ" (۱)

﴿498﴾ حضرت امام مالکؒ حضرت نافعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے "أنّ عبد الله ابن عمر كان لا يقرأ في الصلاة على الجنازة" (۲)

﴿499﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "أنّ النبي صلى الله عليه وسلم لم يؤقّت قولاً ولا قرأةً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی خاص دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی (جب ان سے نمازِ جنازہ کے تعلق سے پوچھا گیا تھا)۔(۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے۔(۴)

"نماز جنازہ میں قرأت" عنوان سے متصل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام شعبیؒ سے نماز جنازہ کا طریقہ گذر چکا ہے کہ یہ حضرات مذکورہ طریقے پر بغیر قرأت کے نماز جنازہ کے قائل تھے، اور ان کا یہی طریقۂ کار تھا، اسی کے قائل جابر بن عبداللہ، حضرت فضالہ بن عبیدہ، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم بھی رہے، ان کا معمول بھی بغیر قرأت کے نمازِ جنازہ کا تھا۔(۵)

---

(۱) مؤطا امام مالك: باب ما يقول المصلي على الجنازة، حدیث:۵۷۷، "التقریب" میں ہے اس کے رجال جماعت کے رجال ہیں سوائے سعید کے ان کے انتقال سے چالیس سال پہلے ان کے حافظہ میں کچھ تبدیلی آ گئی تھی، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: امام مالک جیسا شخص ان سے اس حالت کے طاری ہونے کے بعد روایت نہیں کرسکتا۔(اعلاء السنن:۲۵۵/۸)

(۲) مؤطا امام مالك: باب ما يقول المصلي على الجنازة:۵۷۷

(۳) مغني لابن قدامة:۳۶۶/۲، صفة صلاة الجنازة

(۴) بدائع الفوائد:۳۱۳/۱ (۵) المدونة الكبرىٰ:۱۷۴/۱

ایسے ہی جلیل القدر تابعین: حضرت محمد بن سیرینؒ (۱) حضرت امام شعبیؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت عطا بن رباحؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت بکر بن عبداللہؒ، حضرت میمونؒ حضرت سالم بن عبداللہؒ، حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۲) اور دیگر اجلۂ تابعین نمازِ جنازہ کو دعاء قرار دیتے ہیں، اور قرأت کا انکار کرتے ہیں۔

﴿500﴾ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّوا علی النجاشی سمّاها صلاة ، لیس فیها رکوع ولا سجود ولا یُتکلّم فیها تکبیر وتسلیم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نجاشی پر نماز پڑھو، اسے نماز کہا، جس میں نہ رکوع ہے، نہ سجدہ ہے، اس میں نہ بات چیت کی جاسکتی ہے، نہ تکبیر ہے نہ سلام۔ (۳)

البتہ وہ مرفوع روایتیں جن سے نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے یہ تمام کی تمام ضعف سے خالی نہیں، چنانچہ علامہ ابن قیمؒ اور دوسرے محققین کا فیصلہ ہے کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔ (۴)

اس لئے ان روایات کی روشنی میں نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والوں کی نماز کو باطل تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب تو نہیں، البتہ اس کے جواز اور اجازت کی بات ضرور ثابت ہوتی ہے، اس لئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہے وہ جواز کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا بطورِ ثناء اور دعا کے ہے، بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ میں سورہ بطور دعا اور ثناء کے سورہ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: یہ سنت ہے: "فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا أنها سنة "(۵)

(۱-۲) (مصنف ابن ابی شیبہ)

(۳) بخاری: باب سنة الصلاة على الجنازة ، رقم الباب: ۵۶

(۴) زاد المعاد: ۵۰۵/۱

(۵) بخاری: باب یقرأ فاتحة الكتاب، حدیث: ۱۲۷۰

نمازِ جنازہ میں دُعا آہستہ پڑھی جائے

نمازِ جنازہ چونکہ دعاؤں پر مشتمل ہے اور دعا میں پسندیدہ امر یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ،اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۱)

پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے،اس کو ناپسند نہیں آتے حد سے تجاوز کرنے والے۔

﴿501﴾ حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؒ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں،جن میں آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے ”السنة فى الصلاة على الجنازة أن يقرأ فى التكبيرة الاولىٰ بأمّ القراٰن مخافةً “(۲)

﴿502﴾ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی ”ما اباح لنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابوبكر ولا عمر رضى اللّٰه عنهما فى شيئ ما أباحوا فى الصلاة على الميّت يعنى لم يؤقّت“ (۳)

علامہ عسقلانیؒ نے ”اباح“ کے معنی ”جھر“ کیلئے ہیں کہ ان لوگوں نے نماز جنازہ میں دعا اونچی آواز سے نہیں پڑھی۔(۴)

---

(۱) الاعراف:۵۵

(۲) نسائی: باب الدعاء على الجنازة، حدیث:۱۹۹۱،اس کو عبدالرزاق،نسائی نے روایت کیا ہے اور حافظ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔(فتح البارى:۲۰۳/۳،قوله باب قرأة الفاتحة)

(۳) ابن ماجة: باب ما جاء فى الدعاء فى الصلاة على الجنازة ،حدیث:۱۵۰۱علامہ بصیری کہتے ہیں :یہ سند ضعیف ہے،حجاج بن اُرطاۃ یہ تدلیس کے بارے میں مشہور ہیں،اس روایت کے دوسرے بھی طرق ہیں: اس کو احمد بن منیع نے عبداللہ بن بکر بن حنش عن الحجاج کے طریق سے نقل کیا ہے،ابویعلی نے اس روایت کو ”حدثنا عقبة بن مكرم حدثنا يونس بن بكير عن ابراهيم بن اسماعيل عن ابى الزبير“مصباح الزجاجة : كتاب الجنائز :۲۲۹/۱ کے طریق سے نقل کیا ہے،اس طرح اس روایت کی دوسرے سندوں سے تائید ہوتی ہے۔

(۴) التلخيص الحبير:۱۲۳/۲

نمازِ جنازہ کے بعد کی دعا

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد متصل اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں ؛ بلکہ فقہاء نے اس کو بدعت اور مکروہ کہا ہے؛ البتہ سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کی جائے۔

ملا علی قاری حنفیؒ نے ''مرقات'' میں لکھتے ہیں:''ولا یدعوا للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ لانّہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ ''اور میت کیلئے نماز جنازہ کے بعد دعاء نہ کرے؛ کیونکہ نماز جنازہ کے اندر زیادتی کے مشابہ ہے (حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں)۔(۱)

غائبانہ نمازِ جنازہ

اگر کوئی مسلمان ایسے علاقے میں فوت ہوجائے، جہاں اس کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی، تو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے؛ چونکہ شاہِ حبشہ فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا؛ لہٰذا خود حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

﴿503﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نجاشی کے فوت ہوجانے کی خبر دی، پھر باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر نماز پڑھی ''نعی النجّاشی فی الیوم الّذی مات فیہ ،خرج الی المصلّی فصفّ بھم و کبّر أربعًا'' (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی جائے گی؛ حضور ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے یہ عمل ثابت نہیں ہے؛ حتی کہ بہت سے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم دور دراز علاقوں میں فوت ہوئے؛ لیکن آپ ﷺ نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا ،نہ ہی دور رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر پڑھا، نجاشی کی غائبانہ نماز اس لئے ادا کی گئی کہ ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی؛ لہٰذا اس واقعہ سے ایسے شخص کے غائبانہ جنازہ کا استدلال نہیں کیا جا سکتا جس کا جنازہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو، جہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، تو اس کی

---

(۱) مرقات شرح مشکوۃ: باب المشی بالجنازۃ،۴/۶۴

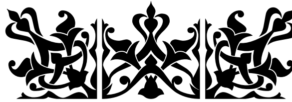
(۲) بخاری: الرجل ینعی الی أھل المیت بنفسہ، حدیث:۱۲۴۵

غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ چونکہ نجاشی کفار کے ایسے علاقہ میں فوت ہوئے، جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا؛ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز ادا فرمائی، البتہ جس کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو اُس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؛ چونکہ ایک نماز سے فرض ادا ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے بھی ایسے شخص کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی؛ جب کہ ایک اور موقع پر آپ ﷺ کا غائبانہ جنازہ پڑھنا ثابت ہے؛ لہٰذا یہ دونوں عمل اپنی جگہ سنت ہیں اور موقع و محل کے مطابق ہر سنت پر عمل ہو گیا"۔(۱)

﴿504﴾ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کیلئے مسافت کے سارے پردے اٹھائے گئے تھے، چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں: "كشف له مدينة الى أرض الحبشة فأبصر سرير النجاشي وصلى عليه وكبّر أربع تكبيراتٍ" آپ ﷺ کیلئے مدینہ سے سرزمین حبشہ تک کی مسافت ظاہر کر دی گئی، حضور ﷺ نے نجاشی کا تخت دیکھا، اس پر نماز پڑھی اور چار تکبیرات کہیں۔(۲)

﴿505﴾ ابن حبان نے اوزاعی عن ابن کثیر، عن ابی قلابہ، عن ابی المہلب کے طریق سے عمران بن حصین کی روایت نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: فقام وصفّوا خلفه، وهم لا يظنّون الّا انّ جنازته بين يديه" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی انھیں ایسے لگ رہا تھا کہ جنازہ سامنے رکھا ہے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں تھی؛ بلکہ معجزۃً پردے اٹھائے جانے کے بعد حاضرانہ نماز تھی۔



---

(۱) زادالمعاد: ۱/۵۰۰، فی هديه فی الصلاة علی الغائب

(۲) اس روایت کو واحدی نے اپنی کتاب "اسباب النزول: ۱/۹۳" میں ابن عباس سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

(۳) صحيح ابن حبان: باب المريض وما يتعلق به، حدیث: ۳۱۰۲، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے، علامہ انور شاہ کشمیری "العرف الشذى فی شرح سنن الترمذی: ۲/۴۲۷" میں فرماتے ہیں: اس کی ابن حبان نے اپنے صحیح میں "سند جید" کے ساتھ تخریج کی ہے۔

پگڑی پر مسح ناجائز

پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مسح کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، چونکہ قرآنِ کریم کی آیتِ مبارکہ "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ"(۱) اپنے سروں کا مسح کرو، میں صاف اور واضح طور پر سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے؛ اس لئے سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔

﴿506﴾ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوعبیدہؒ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے چمڑے کے موزے پر مسح کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے فرمایا: "سنت" ہے پھر انہوں نے پوچھا: پگڑی پر مسح کا کیا حکم ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بال کو پانی لگاتا ہوں (یعنی پگڑی پر مسح جائز نہیں)"وسألته عن المسح علی العمامة، فقال: أُمِسُّ الشعر الماء" (۲)

رہی وہ روایات جن سے پگڑی پر مسح کا جواز ثابت کیا جاتا ہے، اولاً تو وہ اخبارِ آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، اور اخبارِ آحاد سے قرآن سے ثابت سر کے مسح کے حکم کو نہیں بدلا جاسکتا۔

دوسرے یہ پگڑی پر مسح کے بارے میں جو روایات ہیں، جس میں بعض راوی "مسح علی العمامة" کہتے ہیں: اور بعض روایات ہیں جس میں وہ "مسح علی ناصیته وعمامته" (اپنی پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا) کہتے ہیں، مسلم شریف کی روایت میں صاف اور وضاحت کے ساتھ "مسح ناصیته وعمامته" کے الفاظ ہیں، اس سلسلے کی جتنی روایات ہیں، سب کا یہی حال ہے۔ (۳)

﴿507﴾ ترمذی کی روایت میں ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ "توضّأ النبی ﷺ و مسح علی الخفین والعمامة" وذکر محمد بن بشّار فی موضعٍ اٰخر: أنّه مسح علی ناصیته وعمامته" حضورِ اکرم ﷺ

(۱) مائدہ:۶

(۲) ترمذی: باب فی المسح علی الجوربین والعمامة، حدیث۱۰۲، البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۳) کشف النقاب :۴۳۹/۲

نے وضو کیا اور موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: محمد بن بشارؒ نے اس حدیث میں ایک دوسری جگہ یوں ذکر فرمایا ہے: انہوں نے اپنی پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا۔(۱)

تو معلوم یہ ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ دراصل پیشانی کے اوپری حصہ پر مسح کیا، پھر جب پگڑی صحیح کی تو اس پر بھی مسح ہو گیا، مگر یہ ضمناً اور صورۃً تھا، راوی نے جو دیکھا روایت کر دیا؛ حالانکہ وہاں مقصود صرف پیشانی پر مسح تھا، پگڑی پر مسح مقصود نہیں تھا۔

کپڑے کے موزوں پر مسح کا حکم

جس قسم کے سوتی، اونی یا نیلون کے موزے اس زمانہ میں رائج ہیں، ان پر مسح کرنا جائز نہیں، اس بحث کو سمجھنے کیلئے اولاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن کریم نے سورۂ مائدہ میں وضو کا جو طریقہ بیان کیا ہے، اس میں پوری وضاحت کے ساتھ پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے، نہ کہ اس پر مسح کا، قرآن کریم میں کی اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو میں ہمیشہ پاؤں دھوئے جائیں؛ یہاں تک کہ جب کسی شخص نے چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں، اس وقت بھی مسح کی اجازت نہ ہو؛ لیکن چمڑے کے موزے پر مسح کی اجازت جو باجماعِ امت دی گئی ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، اگر چمڑے کے موزوں پر مسح کے جائز ہونے کے بارے میں دو تین حدیثیں ہوتیں، تب بھی ان کی بناء پر قرآن کے مذکورہ صریح حکم پر موزوں پر مسح کی اجازت نہیں ہوتی، جبکہ مسح علی الخفین کی احادیث معناً متواتر ہیں؛ اس لئے ان متواتر احادیث کی روشنی تمام امت کا اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ قرآن کی آیت میں پاؤں دھونے کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جب انسان نے خفین (چمڑے کے موزے) نہ پہن رکھے ہوں، چنانچہ مسح علی الخفین کا حکم اسّی (۸۰) صحابہ سے مروی ہے، حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں: ''وقد صرّح جمع من الحفاظ بأنّ المسح على الخفين متواتر وجمع بعض رواته فجاوزوا الثمانين ،منهم العشرة '' حفاظ کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے، اور بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو اسی (۸۰) سے متجاوز تھے، جن میں عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں۔(۲)

خُفّین (چمڑے کے موزوں) کے علاوہ کسی چیز پر مسح کے بارے میں ایسا تواتر موجود نہیں ہے؛ اس لئے یہ اجازت صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص رہے گی، دوسرے موزوں کے

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في المسح على العمامة، حدیث:۱۰۰، ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) فتح الباری: باب المسح على الخفين: ۳۰۶/۱

متعلق قرآن کا اصلی حکم پاؤں دھونے پر عمل ہوگا؛ یا وہ موزے اس قدر موٹے ہوں کہ وہ اپنی خصوصیات واوصاف کی وجہ سے چمڑے کے موزوں کے ہم پلہ ہوں (کہ ان میں پانی نہ چھنتا ہو، نہ انھیں پاؤں پر جمے رہنے کیلئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو اور ان کو پہن کر دو میل چل سکتے ہوں) لہٰذا وہ باریک موزے جو نہ چمڑے کے ہوں، اور نہ ان میں چمڑے کے اوصاف پائے جاتے ہوں جیسے آج کل کے سوتی، اونی یا نیلون کے موزے، ان کے بارے میں اجماع ہے کہ ان پر مسح جائز نہیں؛ کیونکہ ایسے موزوں پر مسح کرنا ایسے دلائل سے ثابت نہیں، جن کی بناء پر قرآنِ کریم کے پاؤں کے دھونے کے حکم کو چھوڑ دیا جائے۔

جرابوں پر مسح کی روایات کی حقیقت

جن روایات میں جوربین (جرابوں) پر مسح کرنے کا ذکر آیا ہے، سارے ذخیرۂ احادیث میں یہ کل تین روایتیں ہے، ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ، اور ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اور یہ روایتیں محدثین کے جرح وتعدیل سے خالی نہیں ہیں۔

علامہ مبارک پوریؒ ''تحفۃ الاحوذی'' میں فرماتے ہیں: ''والحاصل عندی أنه ليس فی باب المسح علی الجوربين حديث صحيح، مرفوع، خال عن الكلام'' پوری تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، جو محدثین کی جرح وتنقید سے خالی ہو۔(۱)

پہلے تو جرابوں (پائتابوں) پر مسح کے بارے میں روایات عموماً محدثین کے نقد وتنقید سے خالی نہیں ہیں، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بقول امام ترمذیؒ کے صحیح بھی مان لیں، (جبکہ ان کے مقابل اکثر محدثین اس روایت پر تنقید کی ہے) تو پورے ذخیرۂ حدیث میں محض یہ ایک روایت ہوگی، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوربین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، محض اس ایک روایت کی بناء پر قرآن کریم نے پاؤں دھونے کا جو حکم دیا ہے اسے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ ہاں البتہ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم سے جوربین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، اس سے وہ جورب مراد ہیں جو خفین (چمڑے کے موزوں) کی خصوصیات کے حامل ہوں ''يُمسح على الجوربين اذا كان كانتا صفيقتين'' اس روایت کو حضرت قتادہؒ سعید بن مسیبؒ اور حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

---

(۱) تحفة الأحوذی:۱/۳۳۳

(۲) مصنف ابن ابی شيبة: باب فی المسح على الجوربين،۱۹۷۶

نماز میں خشوع خضوع پیدا کرنے کے طریقے

نماز کے اندر دو باتیں ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ غیر اختیاری طور پر نماز میں جو خیالات آتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یہ خیالات آنا کبھی بند نہیں ہوں گے، اور نہ ہی ان کے بند کرنے کا کوئی راستہ ہے۔

دوسرے یہ کہ نماز کی نیت باندھ کر سلام تک ہم اپنا ذہن اور اپنا دل نماز کی طرف متوجہ کرتے رہیں، یہ کام اختیاری ہے، اور اسی کی رعایت کرنا خشوع ہے۔

ایسی نماز کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ بغیر خشوع کی نماز اس نمازی کیلئے بددعا کرتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ اس طرح کی نماز بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب کے بُعد (دوری) پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں، جن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

کتنی فکر کی بات ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال نماز پڑھے اور وہ نماز اس کے منہ پر واپس ماردی جائے اور وہ اس کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہ جائے۔

آج نماز ہماری عادت بن چکی ہے ہم نماز میں ''اللہ اکبر'' کہنے سے ''سلام'' پھیرنے تک اپنے خیالوں میں اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، اگر جسم نماز میں مشغول ہے اور روح دنیا میں منہمک، تو ظاہر ہے کہ ایسی نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''سب سے پہلے اس امت سے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا تو دیکھے گا کہ (بھری مسجد میں) ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔'' (۱)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فيمن لا يتمّ صلاته ونسى ركوعها وسجودها، حدیث: ۲۷۳۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ''کبیر'' میں اور اسی طرح بزار نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی ''احوص بن حکیم'' ہیں ان کو ابن مدینی اور عجلی نے ثقہ بتلایا ہے اور جمہور نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

اس لئے نماز میں خشوع وخضوع کی بہت تاکید ہے۔

خشوع دو طرح کا ہوتا ہے ایک خشوعِ ظاہری: مراد یہ ہے کہ پورا جسم اور اعضاء ہر رکن میں بلا کسی حرکت کے ہیئت مسنونہ پر برقرار ہیں۔ دوسرے خشوع باطنی: مراد یہ ہے کہ دل میں خوف الٰہی، اپنی ذلت وحقارت اور انتہائی عاجزی وشکستگی کا احساس ہونے کے ساتھ دل ودماغ ہر چیز سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ بالقصد کسی اور طرف متوجہ نہ ہوں۔

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: گناہوں سے بچنا

نماز میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کیلئے گناہوں سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ جو شخص گناہوں سے نہیں بچتا اس کی نماز میں خشوع پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص بدنظری کرتا ہے اس کی نماز میں خشوع وخضوع پیدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص خارجِ نماز میں اپنے اعضاء کی جس قدر حفاظت کرتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے پاک رہتا ہے اسی قدر داخل نماز میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص حضوری اور خشوع میسر ہوتا ہے؛ اس لئے جتنا ہم گناہوں سے بچیں گے اتنا ہی نماز میں خشوع وخضوع حاصل ہوگا۔

دوسرا طریقہ: حرام سے اجتناب

نماز میں خشوع حاصل کرنے کی دوسری شرط حرام غذا اور لباس وغیرہ سے اجتناب کرنا ہے۔ کیونکہ حدیثِ شریف میں آتا ہے کہ ''جس نے ایک لقمہ بھی حرام کھالیا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔'' (۱)

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا عبداللہ! میں نماز میں اکثر چوک جاتا ہوں یعنی مجھے یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں آپؓ نے فرمایا اپنے منہ کو حرام سے اور کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھ۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الخشوع، حدیث: ۲۸۱۳، اس کو طبرانی نے ''کبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد: باب فیمن أکل حلالا، حدیث: ۱۸۱۰)، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ''صغیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک غیر معروف شخص ہے۔

تیسرا طریقہ: وضو میں قلب کا حاضر ہونا

نماز میں خشوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ وضو میں نماز کی طرح قلب کا حاضر ہونا لازمی ہے، جیسے نماز میں نمازی غیر اللہ کی طرف التفات نہیں کرتا اسی طرح وضو میں بھی غیر اللہ کا دھیان نہ ہو۔

اسی لئے ایک اللہ والے نے لکھا ہے کہ بعض صالحین کو میں نے یہ کہتے سنا کہ جب وضو میں قلب حاضر ہو تو نماز میں بھی حاضر ہوگا جب وضو میں شیطان کا دخل ہوگا تو لازماً نماز میں بھی وسوسہ پیدا ہوگا۔

چوتھا طریقہ : اذان کے بعد دل کو متوجہ کرنا

نماز میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نمازی جیسے ہی اذان کی آواز سنے وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جائے؛ کیونکہ اذان اللہ کی طرف بلاوا ہے اللہ تو مؤذن کے ذریعے کہلوا رہے ہیں "حی علی الفلاح" آؤ کامیابی کی طرف، اللہ کے اس بلاوے کے باوجود اس وقت دکان میں مشغول رہنا ایسا ہے کہ ہم بہ زبان حال کہہ رہے ہوں کہ کامیابی تو دکان میں ہے، اور اذان کے بعد دل کا نماز کی طرف متوجہ کر لینا یہ تو آپ کی سنت ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ ہم سے گفتگو کیا کرتے تھے اور ہم آپ ﷺ سے گفتگو کیا کرتے تھے، مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسا لگتا کہ گویا آپ ﷺ ہمیں نہ جانتے ہوں، اور ہم سب آپ ﷺ کو نہ جانتے ہوں۔(۱)

پانچواں طریقہ : نماز سے پہلے فضائل نماز کا مراقبہ

نماز میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ نماز سے پہلے نماز کے فضائل کا اور اکابرین کی نمازوں کا مراقبہ کرے کیونکہ شاید آپ حضرات کا بھی تجربہ ہوگا کہ نماز سے پہلے جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں اسی کا خیال نماز کی حالت میں ذہن میں آتا چلا جاتا ہے۔

چھٹواں طریقہ : اللہ کے علاوہ سے بے التفاتی

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے

---

(۱) فیض القدیر : ۸۸/۳، عبدالرؤف مناوی کہتے ہیں: زین العراقی نے شرح ترمذی میں کہا ہے: اس روایت میں عمران بن قطان ضعیف ہیں، ان کو ابن معین نے ضعیف اور احمد نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ہم غیر اللہ کو اپنے دل سے نکال دیں، جب ہم نماز میں تکبیر کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس وقت تکبیر میں ہم کہتے ہیں اللہ اکبر یعنی ساری کائنات چھوٹی ہے اللہ بڑے ہیں اس وقت دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ ہم نے آپ کے غیر کو پس پشت ڈال دیا؛ کیونکہ جب نماز میں کوئی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

احمد ابوداؤد اور نسائی نے بواسطہ ابوالاحوص ابوذر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" لا یزال مقبلا علی العبد فی صلوة مالم یلتفت فاذا صرف وجهه انصرف عنه"یعنی نمازی جب تک نماز میں ادھر ادھر نہ جھانکے تو اللہ عز وجل اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں مگر جب خدا سے دھیان ہٹا لیتا ہے تو اللہ عزوجل بھی توجہ پھیر لیتے ہیں۔(۱)

ساتواں طریقہ : مراقبہ (میں اللہ کو دیکھ رہا)

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد ہم یہ تصور باندھے رہیں کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں ذہن اگر دوسری طرف چلا جائے تو فوراً یہ تصور دل میں لائیں کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور اس کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ"تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہوسکے تو کم از کم اس طرح وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔(۲)

حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ جب انسان حالتِ نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:"اے ابنِ آدم! تو کس کی طرف توجہ کررہا ہے؟ حالانکہ میری ذات توجہ کے زیادہ لائق ہے۔

آٹھواں طریقہ: مراقبہ (میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے)

نماز کی نیت باندھنے کے بعد یہ تصور کریں کہ اللہ تعالی مجھے دیکھ رہا ہے کہ میں کس طرح نماز پڑھ رہا ہوں اور کس طرح تلاوت کررہا ہوں، اس طرح ہر رکن میں دل میں یہ خیالات لاتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کے بارے میں اپنی پوری کوشش کی جائے کہ نماز ایسی ہو جیسی

---

(۱) المستدرك: باب التأمين، حدیث:۸۶۲،حاکم کہتے ہیں:اس کی سند صحیح ہے،"ابوالاحوص" یہ تابعی ہیں، مدینہ کے باشندہ ہیں، زہری نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) مسلم: باب بيان الايمان،حدیث:۹

کہ اس وقت ہوتی جب اللہ تعالی پورے جلال و جمال کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا اور ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم دیتا اور ہم اس کے سامنے کھڑے ہوکر ایسا کرتے، اگرچہ یہ بات اتنی آسان نہیں ہے، لیکن اپنی حدتک کوشش پوری کرنی چاہئے، اس کی صورت یہ ہے کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہونے لگیں تو یہ سوچ لیا کریں کہ اللہ تعالی حاضر وناظر ہیں، میں اگرچہ نہیں دیکھ سکتا، لیکن وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے حضور نماز ادا کر رہا ہوں۔

نواں طریقہ: دنیا سے رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھنا

حصولِ خشوع وخضوع کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس وقت یہ تصور کرے کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو، اس کے بعد کوئی نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے اور پھر قبر میں حساب وکتاب ہو تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ ایک روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو الوداع ہونے والوں کی طرح نماز پڑھو، کہ شاید پھر شاید نماز کی طرف آنا نصیب نہ ہو۔(۱)

دسواں طریقہ: نماز کو اللہ سے بات چیت کا ذریعہ سمجھنا

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے دوسرے ذرائع کی طرح ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ نماز کو رب سے بات چیت کا ذریعہ سمجھے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اس وقت اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہوتا ہے۔

گیارہواں طریقہ: حالتِ نماز میں تلاوت معنی کے دھیان کے ساتھ

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نماز میں جن چیزوں کا پڑھنا مقرر ہے مثلاً: ثنا، سورہ فاتحہ، رکوع وسجدہ کی تسبیحات، درود شریف وغیرہ کم از کم ان کا مطلب اور معنی یاد کر لئے جائیں اور اس کو پڑھتے وقت یہ یاد رکھیں کہ ان لفظوں میں آپ اپنے مالک ومعبود سے کیا عرض کر رہے ہیں، جب آپ کی توجہ قرآن پاک پر مرکوز ہو جائے گی تو آپ گرد وپیش سے بے خبر ہو جائیں گے اور نماز میں یکسوئی نصیب ہوگی، اس طرح نماز میں خشوع پیدا ہوگا۔

بارہواں طریقہ: نماز کے الفاظ کی طرف دھیان دینا

خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تلاوت واذکار اور تسبیحات کے الفاظ کی طرف

---

(۱) اس روایت کو دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے اور یہ حسن لغیرہ ہے۔(اعلاء السنن:۳۵۲/۲)

توجہ اور دھیان دیں، عام لوگوں کیلئے یہ چوتھی صورت بالکل آسان ہے اکیلے نماز میں تلاوت واذکار ہلکی ہلکی آواز سے اس طرح پڑھیں کہ اپنے کان میں تو آواز پہنچ جائے، لیکن برابر والے کی نماز میں خلل نہ آئے، پھر اپنے ذہن کو اپنی آواز والفاظ کی طرف لگائیں مثلاً اس طرح ذہن لگائیں کہ اب میں سبحان اللہ پڑھ رہا ہوں، اب سورت پڑھ رہا ہوں، اس طرح جتنے ارکان ہیں ان کو سوچ کر ادا کریں، اور پوری نماز ارادہ اور توجہ کے ساتھ ہوگی کہ اب میں یہ پڑھ رہا ہوں اور یہ رکن ادا کر رہا ہوں تو ذہن میں دوسرے خیالات اور وسوسے نہیں آئیں گے۔

تیرہواں طریقہ : نماز کے ارکان کو سکون سے ادا کرنا

نماز میں خشوع وخضوع کیلئے نماز کے ہر رکن کو سکون واطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے، اگر نماز میں رکوع اور سجدہ، قومہ وجلسہ پورے اطمینان سے اور سنت کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو وہ نماز اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے، ایسے نمازی کو حضور اکرم ﷺ نے نماز کا چور فرمایا ہے(۱)

تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ سکون اور اطمینان سے نماز ادا کی جائے تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو منٹ کا فرق پڑتا ہے، لہٰذا صرف دو منٹ کیلئے ہم نماز کے چور کہلائے جائیں گے؟ اس لئے خشوع وخضوع کیلئے ہر رکن کو نہایت سکون اور اطمینان سے ادا کریں۔

چودہواں طریقہ: تنہائی میں نماز پر محنت کرنا

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تنہائی میں نماز پڑھی جائے اور اگر اس میں خشوع وخضوع نہ ہو تو دوبارہ پڑھے، اس طرح یہ نماز اس کو گراں گذرے گی، فرض کریں کہ چار رکعت میں دو رکعت کے برابر دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کے برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کریں، اس طرح جتنی غفلت زیادہ ہو اس قدر نفلوں میں زیادتی کریں، اس طرح انشاء اللہ آہستہ آہستہ حضور قلب حاصل ہوگا۔

یہ چند امور ہیں ان پر دوران نماز توجہ اور دھیان کرنے سے نماز میں خشوع حاصل ہوتا ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الرکوع والسجود، حدیث: ۲۷۲۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد، بزار اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی علی بن زید ہیں، ان سے استدلال کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح ہیں۔

مصادر ومراجع

۱۔ القرآن الکریم — ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (م۱۳۳۹ھ)

۲۔ القرآن الکریم — ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)

۳۔ صحیح البخاری — الامام ابومحمد بن اسماعیل بردذبہ البخاریؒ (م۲۵۶ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۴۔ صحیح مسلم — الامام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ (م۲۶۱ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۵۔ جامع الترمذی — الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ (م۲۷۹ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۶۔ سنن ابوداؤد — الامام ابوداؤد سلیمام بن اشعث السجستانیؒ (م۲۷۵ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۷۔ سنن النسائی — الامام عبدابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائیؒ (م۳۰۳ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۸۔ سنن ابن ماجہ — الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ (م۲۷۵ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۹۔ مؤطا مالک — الامام مالک بن انس ابوعبداللہ الاصبحیؒ (م۱۷۹ھ)
مطبوعہ دارالسلام، ریاض

۱۰۔ مسند احمد — الامام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ) مع تحقیق شعیب الأرنوط

۱۱۔ شرح معانی الاثار — احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک ابوجعفر الطحاویؒ
مع تحقیق محمد زہری النجار

۱۲۔ صحیح ابن خزیمہ — محمد بن اسحاق بن خزیمہ ابوبکر السلمیؒ (م ۳۱۱ھ)
مع تحقیق دکتور محمد مصطفیٰ اعظمی

۱۳۔ صحیح ابن حبان — ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد التیمی المصریؒ (م ۷۳۹ھ)

۱۴۔ السنن الکبریٰ للبیہقی — ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)
مع تحقیق محمد عبدالقادر عطا

۱۵۔ السنن الصغریٰ — ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)
مع تحقیق محمد عبدالقادر عطا

۱۶۔ شعب الایمان — ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)
مع تحقیق محمد سعید زغلول

۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ — ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ (م ۲۳۵)
مع تحقیق محمد عوامہ

۱۸۔ مصنف عبدالرزاق — ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ)
مع تحقیق حبیب الرحمٰن اعظمی

۱۹۔ المعجم الطبرانی الاوسط — علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م ۳۶۰)
مع تحقیق طارق بن عوض اللہ

۲۰۔ المعجم الطبرانی الکبیر — علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م ۳۶۰)
مع تحقیق طارق بن عوض اللہ

۲۱۔ سنن الدارقطنی — الامام حافظ علی بن عمر الدارقطنیؒ (م ۳۸۵)
مع تحقیق سید عبداللہ ہاشم مدنی

۲۲۔ مجمع الزوائد — علامہ ابوبکر الھیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) مطبوعہ بیروت ۱۹۹۲ء

۲۳۔ مؤطا امام محمد — محمد بن حسن الشیبانیؒ

۲۴۔ مستدرک علی الصحیحین — ابوعبداللہ محمد بن عبدالعظیم حاکمؒ (م ۴۰۵ھ)

۲۵۔ الترغیب والترہیب — الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م ۶۵۶)

۲۶۔ کنز العمال — علی بن حسام الدین المتقیؒ (م ۹۷۵ھ)

۲۷- کتاب الاثار — یعقوب بن ابراہیم الأنصاری ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ)
۲۸- مسند الشامیین — علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)
۲۹- آثار السنن — علامہ شوق نیمویؒ
۳۰- اعلاء السنن — حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م۱۳۹۴)
۳۱- جزء رفع الیدین — الامام ابومحمد بن اسماعیل بردذبہ البخاریؒ (م۲۵۶ھ)
۳۲- التاریخ الکبیر — الامام ابومحمد بن اسماعیل بردذبہ البخاریؒ (م۲۵۶ھ)
۳۳- مختصر قیام اللیل — محمد بن نصر المزوریؒ
۳۴- ریاض الصالحین — الامام یحییٰ بن شرف النوویؒ
۳۵- کتاب الامّ — الامام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م۳۶۰)
۳۶- فتح الباری — امام حافظ ابن حجر قسطلانیؒ (م۸۵۲ھ)
۳۷- عمدالقاری — بدرالدین العینی الحنفیؒ (م۸۵۵ھ)
۳۸- ارشاد الساری — علی بن احمد بن علی القسطلانیؒ (م۹۲۳ھ)
۳۹- فیض الباری — علامہ محمد انور شاہ ابن معظم شاہ الکشمیریؒ
۴۰- مرقات شرح مشکوۃ — علامہ علی بن سلطان القاریؒ (م۱۰۱۴)
۴۱- معارف السنن — علامہ یوسف بنّوریؒ (م۱۳۹۷ھ)
۴۲- تحفۃ الاحوذی — ابوالعلی محمد عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ (م۱۳۵۳ھ)
۴۳- شرح مسلم — امام یحییٰ بن شرف النوویؒ
۴۴- نصب الرایہ — علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعیؒ (م۷۶۲ھ)
۴۵- التلخیص الحبیر — احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ (م۹۲۳ھ)
۴۶- فیض القدیر — عبدالرؤف المناویؒ (م۱۰۳۱)
۴۷- الجوہر النقی — علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان االماردینیؒ ''ابن الترکمانی''
۴۸- مصباح الزجاجۃ — شہاب الدین البوصیریؒ
۴۹- العرف الشذی — علامہ محمد انور شاہ ابن معظم شاہ الکشمیریؒ
۵۰- عون المعبود — محمد شمس الدین عظیم آبادی ابوطیبؒ
۵۱- السعایہ — علامہ محمد عبد الحیئ اللکنوی (م۱۳۰۴)

۵۲- بدائع الصنائع — علامہ علاء الدین ابوبکر بن سعود کاسانی حنفی (م ۵۸۷)

۵۳- زاد المعاد — ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر دمشقی ''ابن القیّم الجوزیہ'' (م ۷۵۱)

۵۴- المدونۃ الکبریٰ — ابوسعید خلف بن ابی القاسم القیروانیؒ

۵۵- فض الوعاء — امام عبدالرحمٰن بن کمال محمد بن سابق الدین السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

۵۶- المغنی لابن قدامہ — ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہؒ

۵۷- محلی ابن حزم — علی بن احمد بن حزم اندلسیؒ

۵۸- فتح القدیر — محمد بن عبدالواحد ''ابن ہمامؒ''

۵۹- نیل الاوطار — محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ

۶۰- فتاویٰ ھندیہ — محمد نظام الدین وجماعۃ من العلماء

۶۱- الحاوی للفتاوی — عبدالرحمٰن کمال السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

۶۲- فتاوی ابن تیمیہ — احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی ابوالعباسؒ

۶۳- الدرایہ — ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲)

۶۴- تذکرۃ الموضوعات — علامہ طاہر صدیقی پٹنویؒ

۶۵- المجموع شرح مہذب — الامام یحییٰ بن شرف النوویؒ

۶۶- تیسیر المقال — علامہ عبدالرحمٰن بن کمال ابوبکر محمد بن سابق الدین السیوطی

۶۷- درمختار — محمد امین ''ابن عابدین الشامیؒ''

۶۸- التہذیب — ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲)

۶۹- مراقی الفلاح — حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفیؒ

۷۰- ازالۃ الخفاء — شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اردو کتابیں

۷۱- جواہر الفقہ — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۹۵ھ)

۷۲- منتخب احادیث — حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ

۷۳- معارف الحدیث — حضرت مولانا منظور نعمانیؒ

۷۴- حقیقتِ نماز — حضرت مولانا منظور نعمانیؒ

۷۵-	فتاویٰ محمودیہ (محقق)	حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
۷۶-	درسِ ترمذی	حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ
۷۷-	فقہی مقالات	حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ
۷۸-	تحفۃ الالمعی	افادات حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ
۷۹-	علمی خطبات	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ
۸۰-	مسائل نماز	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ
۸۱-	قاموس الفقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
۸۲-	کتاب الفتاویٰ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
۸۳-	راہِ اعتدال	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
۸۴-	حدیث اور اہل حدیث	مولانا انوار خورشید
۸۵-	نمازِ مسنون	مولانا عبد الحمید سواتی
۸۶-	نمازِ پیمبر ﷺ	مولانا الیاس فیصل
۸۷-	نفائس الفقہ	مفتی شعیب اللہ خان مدظلہ
۸۸-	دلیلِ نماز بجواب	مفتی شعیب اللہ خان مدظلہ
۸۹-	کتاب المسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ
۹۰-	انوار المناسک	مفتی محمد شبیر قاسمی مدظلہ
۹۱-	بارہ مسائل بیس لاکھ	مولانا منیر احمد ملتانی
۹۲-	احکام النساء	مولانا شوکت ثناء قاسمی
۹۳-	رسول اللہ ﷺ کی نماز	مفتی عارف باللہ القاسمی
۹۴-	نماز میں خشوع وخضوع	مولانا محمد ارسلان میمن
۹۵-	اسلامی شادی	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۹۶-	نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ	مفتی محمد راشد اعظمی
۹۷-	مستند نمازِ حنفی	مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، ملتان
۹۸-	نمازِ جنازہ میں مسنون دعا	مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی قادری
۹۹-	حنفی عورتوں کی مدلل نماز	مفتی عبد الرؤف سکھروی
۱۰۰-	غیر مقلدین کی غیر مستند نماز	مناظر اسلام حضرت مولانا امین صفدر
۱۰۱-	نماز اہل سنت والجماعت	مولانا محمد الیاس گھمن صاحب